عمران سیریز
دس کروڑ میں دو شیطان
مظہر کلیم ایم اے

عمران سیریز

دس کروڑ میں دو شیطان

مکمل ناول

مظہر کلیم ایم اے

خان برادرز گارڈن ٹاؤن ملتان

چند باتیں

محترم قارئین۔ سلام مسنون۔ طویل عرصے سے آپ کے لئے مسلسل ناول لکھ رہا ہوں اور زمانہ گزرنے کے اثرات بھی ناولوں پر لازماً پڑتے ہیں کیونکہ لکھنے اور پڑھنے والے دونوں پر زمانے کے تغیرات لازماً اثر انداز ہوتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ زمانہ ہمیشہ آگے کی طرف بڑھتا ہے۔ اس لحاظ سے ناول لکھنے کے طویل عرصے میں بھی کرداروں میں نکھار اور ان کی سوچ اور ان کے انداز میں یقیناً بے پناہ فرق آ جاتا ہے۔

آپ کے ہاتھوں میں موجود ناول ”دس کروڑ میں دو شیطان“ میرے ابتدائی چند ناولوں میں سے ایک ہے۔ یہ اس زمانے میں لکھا گیا جب پاکستان کی آبادی بشمول مشرقی پاکستان صرف دس کروڑ تھی۔ اس سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ ناول کب لکھا گیا تھا۔ اس لئے اسے پڑھتے ہوئے یہ ضرور ذہن میں رکھیں کہ یہ میرا بالکل ابتدائی دور میں لکھا گیا ناول ہے۔ زمانے کے طویل فاصلے کے باوجود مجھے یقین ہے کہ یہ ناول آپ کو پسند آئے گا لیکن حسب روایت ناول پڑھنے سے قبل اپنا ایک خط اور اس کا جواب بھی ملاحظہ کر لیجئے تاکہ روایت قائم رہے۔

دیپال پور ضلع اوکاڑہ سے امان اللہ خان ولید لکھتے ہیں کہ میں

گزشتہ بیس سالوں سے آپ کے ناول پڑھ رہا ہوں۔ آپ کی تحریر واقعی سحر انگیز ہے کہ ایک بار ناول پڑھنا شروع کیا جائے تو جب تک ختم نہ ہو جائے اس سے نظریں نہیں ہٹائی جا سکتیں۔ آپ نے ’ٹریٹی‘ اور ’ڈارک آئی‘ جیسے ناول دوبارہ نہیں لکھے۔ روزی راسکل پر بھی کوئی نیا ناول ضرور لکھیں کیونکہ یہ کردار تمام قارئین کا پسندیدہ کردار ہے۔

محترم امان اللہ خان ولید صاحب۔ خط لکھنے اور ناول پسند کرنے کا بے حد شکریہ۔ میری ہمیشہ یہی کوشش رہتی ہے کہ ناول میں کوئی جھول نہ آئے اور دلچسپی کا تاثر مسلسل قائم رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ وہ میری کوشش کو کامیابی بخش دیتا ہے۔ روزی راسکل پر بھی انشاء اللہ جلد ہی آپ نیا ناول پڑھیں گے۔ امید ہے آپ آئندہ بھی خط لکھتے رہیں گے۔

اب اجازت دیجئے

والسلام

مظہر کلیم ایم اے

E.Mail.Address

mazharkaleem.ma@gmail.com

اچانک ایک تیز زناٹے کی آواز فضا میں گونجی اور دوسرے لمحے اس کی گردن اس صفائی سے کٹ گئی جیسے تار سے صابن کٹ جاتا ہے۔ سر دور جا گرا۔ گردن سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔

اس کا بقیہ جسم ایک لمحے کے لئے لڑکھڑاتا رہا پھر ایک جھٹکے سے زمین پر آ گرا۔ جیسے ہی اس کا جسم زمین پر گرا، تین تیز اور خوفناک چیخیں فضا میں گونج اٹھیں۔ وہ تینوں چیختے ہوئے اپنے ساتھی کی طرف دیکھ رہے تھے جو زمین پر مرا پڑا تھا۔

کٹی ہوئی گردن اور سر سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔ تینوں کی آنکھوں سے شدید خوف نمایاں تھا۔ خوف اور دہشت کی وجہ سے ان کے چہرے بگڑ گئے تھے اور دوسرے لمحے ان میں سے ایک جو شاید قدرے کمزور دل کا مالک تھا، لہرا کر فرش پر گر پڑا۔ وہ خوف کی زیادتی کی وجہ سے بے ہوش ہو چکا تھا۔

چار شوقیہ شکاریوں کی یہ پارٹی دارالحکومت کے مالدار نوجوانوں پر مشتمل تھی جو کل دارالحکومت سے پیر ابن کے جنگل میں شکار کھیلنے کے لئے آئے تھے۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی بار جنگل میں شکار کھیل چکے تھے لیکن آج کا یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے قطعی انوکھا تھا۔

وہ دو گھنٹے سے اس جنگل میں شکار کھیل رہے تھے۔ اس دوران انہوں نے دو ہرن، تین خرگوش اور ایک چیتل شکار کیا تھا۔ پھر جیسے ہی وہ جنگل کے انتہائی شمالی سرے پر پہنچے، اچانک یہ واقعہ پیش آ گیا۔

وہ چاروں آپس میں باتیں کرتے ہوئے چلے جا رہے تھے کہ اچانک ایک تیز زناٹے کی آواز فضا میں گونجی اور دوسرے لمحے ان تینوں سے ذرا آگے جانے والے کی گردن کٹ کر ایک طرف جا پڑی۔ انہیں کوئی ایسی چیز بھی نظر نہ آئی جس سے گردن کٹی ہو اور نہ ہی کوئی ایسی چیز پھینکنے والا نظر آیا۔ اس وجہ سے ان پر دہشت طاری ہو گئی تھی۔

وہ دونوں ایک لمحے تک تو بت بنے کھڑے رہے پھر ان میں ایک جو عمر کے لحاظ سے ان سب سے بڑا نظر آ رہا تھا، دوسرے سے مخاطب ہوا۔

"جمال۔ یہ سب کیا ہوا، کیسے ہوا"..... اس کی آواز سے بھی دہشت صاف جھلک رہی تھی۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا سلیم۔ سعید کی گردن کیسے کٹ گئی"۔

جمال نے جواب دیا۔

ان کے حواس بحال ہوتے جا رہے تھے اور فوری دہشت اور خوف جو ان کے ذہنوں پر طاری ہو گیا تھا۔ آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ پھر وہ دونوں اس مردہ نوجوان جس کا نام سعید تھا کی طرف لپکے۔ انہوں نے اس کے چاروں طرف غور سے دیکھا لیکن ایسی کوئی چیز انہیں نظر نہیں آئی جسے وہ اس واقعہ کا موجب سمجھتے پھر وہ اپنے بے ہوش ساتھی کی طرف متوجہ ہوئے۔ جمال نے اپنے کندھے سے لٹکی ہوئی چھاگل سے پانی نکال کر بے ہوش نوجوان کے چہرے پر چھینٹے مارے۔ چند لمحے بعد اسے ہوش آ گیا۔

"کک۔ کک۔ کیا ہوا"..... اس کے منہ سے بے ربط جملے نکلے۔

"ہوش میں آؤ بشیر۔ ہمیں اپنے بچاؤ کی بھی فکر کرنی چاہئے۔ ہو سکتا ہے ہم بھی اس ان دیکھی موت کا شکار ہو جائیں"..... جمال نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ وہاں کھڑے سوچ رہے تھے کہ اب کیا کیا جائے۔ وہ اپنے ساتھی کی لاش بھی یہاں نہیں چھوڑ سکتے تھے اور خوف کی وجہ سے یہاں سے بھاگ جانا بھی چاہتے تھے۔

"بشیر۔ میرے خیال میں تم جاؤ اور پولیس کو اس واقعہ کی اطلاع دو۔ ہم دونوں یہاں ٹھہرتے ہیں۔ کیا خیال ہے سلیم"۔

جمال نے جو ان سب میں زیادہ مضبوط اعصاب کا مالک نظر آ رہا تھا، نے بشیر اور سلیم سے مخاطب ہو کر کہا۔

''ٹھیک ہے بشیر۔ تم جاؤ اور پولیس کو لے کر آؤ لیکن جتنی جلدی ممکن ہو سکے واپس آنا''...... سلیم نے بھی جمال کی تائید کی اور پھر بشیر اطلاع دینے کے لئے چلا گیا۔ وہاں سے دو سو گز دور ان کی جیپ موجود تھی۔ وہ تقریباً بھاگتا ہوا جیپ تک گیا اور پھر پولیس اسٹیشن جا پہنچا۔ اس نے وہاں موجود انچارج کو تمام واقعہ تفصیل سے بتایا۔ پہلے تو انچارج اس واقعہ پر یقین کرنے کو تیار نہ ہوا کیونکہ ایسا کوئی واقعہ اس سے پہلے اس جنگل میں نہیں ہوا تھا لیکن بشیر کے بے پناہ اصرار اور یقین کو دیکھتے ہوئے وہ اس کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گیا۔ جب بشیر پولیس کے مسلح گارڈ کو لے کر وہاں پہنچا تو اس کے ذہن کو ایک اور زور دار جھٹکا لگا۔ جمال اور سلیم کی لاشیں بھی اس کے پہلے ساتھی سعید کے ساتھ ہی پڑی تھیں۔ ان کی گردنیں بھی ویسے ہی کٹی ہوئی تھیں۔ وہ ان کی لاشیں دیکھ کر ضبط نہ کر سکا اور چیخیں مارنے لگا۔ پولیس کے سپاہی اور تھانیدار بھی حیرت اور دہشت سے ایک لمحے کے لئے سُن ہو گئے۔ لاشوں کی حالت ہی ایسی تھی کہ جو بھی دیکھتا اس کا حشر وہی ہوتا تھا۔ جسم کہیں پڑے تھے، سر کہیں پڑے تھے۔ تھانیدار نے جلد ہی اپنے اوپر قابو پا لیا اور پھر اس نے بڑی باریک بینی سے چاروں طرف کی زمین اور درختوں کا معائنہ کیا کہ کوئی ایسی چیز مل جائے جس سے آگے قتل کا

پتہ چل سکے لیکن بسیار کوشش کے باوجود ایسی کوئی چیز دستیاب نہ ہو سکی البتہ سامنے والے ایک درخت پر ہلکا سا کٹ کا ایک نشان اسے نظر آیا لیکن وہ اس سے کوئی خاص سراغ حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوا۔ ایک سپاہی کو اس نے مرکزی ہیڈ کوارٹر میں اس عجیب و غریب واقعہ کی اطلاع دینے کے لئے بھیج دیا تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد وہاں پولیس کے اعلیٰ حکام فنگر پرنٹ کے ماہرین اور ایمبولینس کاریں پہنچ گئیں۔ پولیس نے اردگرد کا تمام علاقہ چھان مارا لیکن کوئی سراغ نہ مل سکا۔ آخر تھک ہار کر انہوں نے لاشیں ایمبولینس میں ڈالیں اور واپس چلے گئے۔

اور پھر یہ حادثات روز کا معمول بن گئے۔ روزانہ شمالی سائیڈ کے کسی نہ کسی حصے میں شکاری اچانک اس پراسرار موت کا شکار ہو جاتے پولیس اور اعلیٰ حکام نے بڑے وسیع پیمانے پر ان واقعات کا اسباب جاننے کے لئے چھان بین کی لیکن سب بے سود، کچھ پتہ نہ چل سکا۔

شکاریوں اور عوام کے دلوں میں ان متواتر واقعات سے اتنی دہشت پھیلی کہ انہوں نے جنگل میں شکار کھیلنا چھوڑ دیا لیکن جب بھی کوئی بہادر اور منچلے شکاریوں کی پارٹی ان تمام باتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے شکار کھیلنے وہاں جاتی اسی پراسرار موت کا شکار ہو جاتی۔

یہ جنگل ریاست پریم نگر کی آمدنی کا بہترین ذریعہ تھا۔ جنگل

میں شکار کھیلنے والوں سے باقاعدہ فیس لی جاتی تھی۔ شکاریوں کی ریاست میں آمد کی وجہ سے ریاست مختلف صورتوں میں کافی روپیہ کما لیتی تھی۔ اس کے علاوہ جنگل سے لکڑی کاٹ کر ریاست سے باہر بھیجی جاتی تھی جس سے ریاست کو ایک معقول آمدنی ہو جاتی تھی۔ شکاریوں نے جب سے اس طرف کا رخ کرنا چھوڑا تھا، ریاست کی اچھی خاصی آمدنی بند ہو کر رہ گئی تھی۔ نواب بہزاد علی خان نے جو اس ریاست کے مالک تھے، اپنی نگرانی میں واقعات کی چھان بین کرائی لیکن کچھ پتہ نہ چل سکا۔ اب تو لکڑی کاٹنے کے لئے کوئی ٹھیکیدار اس جنگل کا ٹھیکہ نہ لیتا۔ خاصی تشویشناک صورتحال پیدا ہو گئی تھی۔ رات کو اس جنگل سے مختلف رنگوں کی شعاعیں بلند ہوتیں۔ درختوں سے چنگاریاں پھوٹتی شہر سے صاف نظر آتیں۔ جاہل عوام کے دماغوں میں رفتہ رفتہ یہ یقین پیدا ہوتا چلا گیا کہ اس جنگل میں آسیب نے ڈیرہ ڈال دیا ہے۔ ساری ریاست میں یہ افواہ پھیل گئی۔

بہزاد علی خان نے مرکزی حکومت سے ان واقعات کے سراغ لگانے کے لئے جاسوس طلب کئے لیکن وہ بھی ناکام واپس ہوئے۔ نواب بہزاد علی خان اس سلسلے میں بے حد پریشان رہنے لگے۔ آخر ایک دن انہوں نے اپنے دوست وزارت خارجہ کے سیکرٹری سر سلطان کو فون کیا اور انہیں تمام واقعات تفصیل سے بتانے کے بعد ان سے مدد کی درخواست کی۔ سر سلطان نے حتی الوسع مدد کرنے کا

وعدہ کیا اور پھر چند دنوں بعد ان کی طرف سے ایک پیغام نواب بہزاد علی خان کو ملا کہ وہ ایک شخص کو ان کے پاس بھیج رہے ہیں جس کے متعلق انہیں یقین ہے کہ وہ ان واقعات کے اصل سبب کا کھوج لگا لے گا۔ نواب بہزاد علی خان بڑی شدت سے اس شخص کی آمد کا انتظار کرنے لگے پھر انہیں اطلاع ملی کہ وہ شخص کل ان کے پاس پہنچ جائے گا۔

نواب بہزاد علی خان جیسے ہی کھانے کے کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرے میں گونجنے والے مترنم قہقہے اور ہلکی ہلکی سرگوشیاں گہرے سکوت میں تبدیل ہو گئیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اپنی مخصوص کرسی پر آ کر بیٹھ گئے۔ ان کی آنکھیں کسی گہری سوچ میں غرق محسوس ہوتی تھیں۔ چہرے پر پریشانی کے تاثرات نمایاں تھے۔ صاف محسوس ہوتا تھا کہ ان کا دماغ کسی پیچیدہ اسرار کو سلجھانے کی ناکام کوشش میں مصروف ہے۔ نواب بہزاد علی ایک چھوٹی سی ریاست پریم نگر کے مالک تھے۔ ان کی ریاست ملک کے انتہائی شمالی میں سرحد کے قریب واقع تھی اور اپنے خوبصورت اور دلکش مناظر کی وجہ سے پورے ملک میں ایک مشہور سیر گاہ کا درجہ رکھتی تھی۔ ملکی لوگوں کے علاوہ دنیا کے کونے کونے سے سیاح پریم نگر میں سیر و تفریح کے لئے آتے تھے اور خاص طور پر گرمیوں میں

یہاں کا حسن دوبالا ہو جاتا۔ سرحد کے قریب ایک بہت بڑا اور گھنا جنگل تھا جس میں ہر قسم کے درندے شکار کے لئے موجود تھے۔ یہ جنگل پیر ابن کے نام سے مشہور تھا۔ کئی لوگوں اسے شکاریوں کی جنت کے نام سے پکارتے تھے۔ نواب بہزاد علی خان نرم طبیعت اور صلح جو شخصیت کے مالک تھے۔ غریبوں کے بہی خواہ تھے۔ اپنی ریاست میں انہوں نے جگہ جگہ یتیم خانے، سرائیں، ہسپتال، سکول قائم کر رکھے تھے جن کا تمام خرچ وہ خود اٹھاتے تھے۔ اس لئے وہ ریاست کے عوام میں بے انتہا مقبول تھے۔ لوگ انہیں نواب فرشتہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ ان کی اولاد دو لڑکیوں اور ایک لڑکے پر مبنی تھی۔ نواب صاحب کی بیگم چار سال پہلے وفات پا چکی تھیں۔ لڑکا ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم کے لئے آکسفورڈ گیا ہوا تھا۔ لڑکیاں تعلیم سے فارغ ہو چکی تھیں۔ دونوں لڑکیاں فرخ جہاں اور ماہ رخ انتہائی شوخ اور چنچل طبیعت کی مالک تھیں۔

لڑکیوں کے علاوہ ان کی دو بھانجیاں شگفتہ اور ناہید بھی ان کے ساتھ ہی رہتی تھیں کیونکہ نواب کی ہمشیرہ کا کافی عرصہ پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ ناہید اور شگفتہ کی طبیعت بھی فرخ جہاں اور ماہ رخ کی طرح انتہائی شوخ تھی اس لئے جہاں ان چاروں کا گروپ مل جاتا وہاں ایک قیامت ہی ٹوٹ پڑتی۔ چاروں تعلیم یافتہ اور حسن میں لاثانی تھیں۔ نواب صاحب چاروں سے یکساں پیار کرتے تھے۔ ان کے لئے لڑکیوں اور بھانجیوں کے درمیان کوئی فرق نہیں تھا۔ وہ

چاروں بھی نواب صاحب سے کافی حد تک بے تکلف تھیں لیکن اس کے باوجود وہ ان کا ادب بھی بہت کرتی تھیں چنانچہ اس وقت بھی جیسے ہی نواب صاحب کھانے کے کمرے میں داخل ہوئے وہاں خاموشی طاری ہو گئی۔ نواب صاحب خیالوں میں کھوئے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔

''ڈیڈی۔ آج آپ پریشان معلوم ہو رہے ہیں''...... اچانک ماہ رخ نے نواب صاحب کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ نواب صاحب چونک پڑے اور پھر پھیکی ہنسی ان کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔

''نہیں بے بی۔ میں ٹھیک ہوں، بس ذرا ریاست کے متعلق ایک مسئلے پر غور کر رہا تھا''...... نواب صاحب نے اپنی حالت سنبھالتے ہوئے کہا۔

''ڈیڈی۔ کھانا کھاتے وقت آپ ریاست کو بھول جایا کیجئے''...... فرخ جہاں نے اٹھلاتے ہوئے کہا۔

''اب ہماری بیٹی ہمیں نصیحتیں کر رہی ہے''...... نواب صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''فرخ باجی ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں انکل''...... شگفتہ نے فرخ کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''اور ہاں، مجھے بتانے کا خیال ہی نہیں رہا۔ کل ایک معزز شخصیت بطور مہمان ہمارے ہاں آ رہی ہے۔ نوکروں سے کہہ کر

گیسٹ روم ٹھیک کروا لینا''...... نواب صاحب نے ماہ رخ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''او کے ڈیڈی۔ ویسے یہ معزز شخصیت کہاں سے تشریف لا رہی ہے''...... ماہ رخ کے لہجے میں دبی دبی ہنسی کے اثرات واضح تھے۔

''دارالحکومت سے''...... نواب صاحب نے ماہ رخ کے لہجے پر غور کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''کیا آپ ان کا پیشگی تعارف نہیں کرا سکتے''...... ماہ رخ نے کہا۔

''ان کا نام علی عمران ہے اور ایک خاص سلسلے میں مجھے ان کی مدد درکار ہے اس لئے وہ کل یہاں آ رہے ہیں لیکن ایک بات میں پہلے بتا دوں۔ آپ نے ان کے ساتھ کسی قسم کا مذاق نہیں کرنا۔ وہ شاید انتہائی سنجیدہ طبیعت کے مالک ہوں گے اور جس کام کے سلسلے میں وہ یہاں آ رہے ہیں اس کے لئے انہیں ذہنی یکسوئی کی انتہائی ضرورت ہے''...... نواب صاحب کا لہجہ بے حد سنجیدہ تھا۔

''بہت اچھا انکل۔ لیکن آپ نے لفظ شاید استعمال کیا ہے۔ کیا اس کا مطلب ہے کہ آپ انہیں پہلے سے نہیں جانتے''...... شگفتہ نے ایک نکتہ نکالا۔

''ہاں شگفتہ۔ وہ پہلی بار یہاں آ رہے ہیں''...... نواب صاحب نے سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے کہا اور پھر وہ سب خاموشی سے کھانا کھانے میں مشغول ہو گئے۔ نواب صاحب کے علاوہ باقی سب

کے دماغ میں وہ معزز شخصیت گھوم رہی تھی۔ سب اپنی اپنی جگہ اس شخصیت کا تصوراتی خاکہ باندھ رہی تھیں کہ وہ شخصیت کیسی ہو گی۔

اتنے میں نواب صاحب نے کھانا کھا کر ہاتھ رومال سے پونچھنے شروع کر دیئے۔ باقی سب نے بھی ان کی پیروی کی اور ہاتھ دھونے کے بعد نواب صاحب اپنے خاص کمرے میں چلے گئے اور وہ چاروں دستر خوان سے اٹھ کر ایک دوسرے کمرے میں آ بیٹھیں۔

''شگفتہ باجی۔ وہ معزز شخصیت کیسی ہو گی''...... ناہید نے شگفتہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''یہی میں سوچ رہی ہوں''...... شگفتہ نے جواب دیا۔

''میرے خیال میں وہ انتہائی طویل القامت، قوی ہیکل ادھیڑ عمر کی شخصیت ہو گی جس کی لمبی لمبی سفید مونچھیں ہوں گی۔ سر کے بال آدھے غائب اور آدھے باقی سفید ہوں گے''...... ماہ رخ نے اپنے ذہن میں پیدا ہونے والا خاکہ ان کے سامنے پیش کر دیا۔

''بالکل ٹھیک۔ باجی۔ بالکل یہی نقشہ میرے ذہن میں بھی تھا۔ اس کے علاوہ ان کی آنکھوں پر موٹے موٹے شیشوں والی دھندلی سی عینک بھی ضرور ہو گی''...... ناہید نے خاکے میں اضافہ کرتے ہوئے کہا اور سب کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

''باجی۔ یہ شخصیت کہیں اپنے فلسفوں اور نصیحتوں سے بور نہ کرنا شروع کر دے''...... شگفتہ نے منہ بگاڑتے ہوئے کہا۔

''دیکھو، یہ تو اس کی آمد پر ہی پتہ چلے گا''...... ماہ رخ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور پھر وہ کافی رات گئے تک اس معزز شخصیت پر ہی بحث کرتی رہیں۔

گھنا اور ہیبت ناک جنگل رات کے وقت کچھ اور زیادہ بھیانک لگ رہا تھا۔ چاروں طرف مختلف درندوں کی زور دار آوازیں گونج رہی تھیں۔ ان میں کبھی کبھی شیر کی دل ہلا دینے والی دھاڑیں بھی شامل ہوتی تھیں۔

اسی خوفناک جنگل میں اس وقت ایک سیاہ پوش ہاتھ میں برین گن پکڑے بڑے اطمینان سے آگے بڑھا چلا جا رہا تھا۔ وہ اس طرح مطمئن تھا جیسے جنگل کی بجائے کسی شہر کی پُر رونق سڑک پر پھر رہا ہو۔ کبھی کبھی وہ اچانک ٹھٹک کر رک جاتا اور چند لمحے کسی آواز کو بغور سنتا پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ جاتا۔

ابھی تک اس کا واسطہ کسی درندے سے نہیں پڑا تھا۔ کافی دور تک وہ جنگل میں بڑھتا چلا گیا۔ پھر ایک درخت کے نیچے آ کر رک گیا۔ یہ درخت بہت پھیلا ہوا تھا۔ اس درخت کا تنا بہت چوڑا

تھا کہ اگر ایک ہاتھی بھی دوسری طرف چھپ کر کھڑا ہوتا تو اس طرف سے نظر نہ آ سکتا تھا۔ وہ سیاہ پوش درخت کے پاس خاموشی سے کھڑا رہا پھر آگے بڑھا اور تنے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ اچانک ایک ہلکی سی گڑگڑاہٹ کی آواز آئی اور اس تنے میں ایک دروازہ سا بن گیا۔ وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوااس دروازے میں داخل ہو گیا۔ اس کے داخل ہوتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ اندر کی طرف سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ سیاہ پوش نے برین گن کاندھے سے لٹکائی، جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکالی اور پھر اس ٹارچ کی روشنی کے ذریعے وہ سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔

سیڑھیاں کافی گہرائی تک چلی گئی تھیں۔ جہاں جا کر سیڑھیاں ختم ہوئیں، وہاں آگے ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اس نے دروازے پر لگے ہوئے پیتل کے ہینڈل کو تین بار مخصوص انداز میں گھمایا اور دروازہ کھل گیا۔ آگے ایک لمبی سی گیلری تھی۔ گیلری میں کم پاور کے بہت سے بلب جل رہے تھے۔ گیلری میں ہلکی ہلکی گڑگڑاہٹ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ جیسے آس پاس کوئی بھاری مشین چل رہی ہو۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا گیلری سے گزرنے لگا۔ گیلری کے درمیان میں ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جو اس وقت بند تھا۔ سیاہ پوش نے جیب سے ایک چھوٹی سی چابی نکال کر دروازے کے آٹومیٹک لاک میں ڈال کر گھمایا اور پھر دروازہ پر دباؤ ڈالا تو دروازہ بے آواز کھلتا چلا گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جو

بہترین اور جدید ساخت کے فرنیچر سے مزین تھا۔

اس نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ کمرے میں مرکزی ٹیوب جل رہی تھی۔ اس نے برین گن کمرے کی سائیڈ میں پڑی ہوئی ایک ٹیبل پر رکھ دی اور پھر وہ ایک الماری کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اس نے الماری کھول کر اس کے اوپر والے خانے میں رکھی ہوئی ایک چھوٹی سی مشین نکالی اور پھر اسے لا کر کمرے کے درمیان پڑی ہوئی ایک بڑی سی میز پر رکھ دیا اور خود اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ مشین میں لگی ہوئی مختلف رنگوں کی تاروں کو جوڑتا رہا پھر اس نے مشین کے نیچے لگے ہوئے ایک بٹن کو دبا دیا۔ مشین سے ہلکی ہلکی زوں زوں کی آوازیں آنے لگیں۔ اس نے ایک اور بٹن دبایا تو زوں زوں کی آوازیں تیز ہو گئیں۔ وہ خاموشی سے بیٹھا رہا۔ اچانک آوازیں آنی بند ہو گئیں اور پھر ایک عجیب قسم کی منمناتی ہوئی آواز ابھری جیسے کوئی منہ بھینچ کر بول رہا ہو۔

"ہیلو۔ ہیلو۔ شیطان اسپیکنگ۔ اوور"...... کوئی دو منٹ تک یہی فقرہ دہرایا جاتا رہا پھر آواز آنی بند ہو گئی۔ زوں زوں کی آوازیں دوبارہ آنی شروع ہو گئیں۔

"ہیلو۔ ہیلو۔ نمبر ٹو اسپیکنگ۔ اوور"...... وہ بھی تقریباً دو منٹ تک یہی فقرہ دہراتا رہا پھر اس نے بٹن آف کر دیا۔ اب دوسری طرف سے وہی منمناتی آواز دوبارہ ابھری۔

"ہیلو۔ نمبر ٹو کام کس اسٹیج پر پہنچ چکا ہے۔ اوور"...... دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"باس۔ کام کی رفتار تسلی بخش ہے۔ ہم جلد ہی اپنا مشن مکمل کر لیں گے۔ اوور"...... نمبر ٹو نے جو وہی سیاہ پوش تھا، جواب دیا۔

"جنگل میں شکاریوں کی رکاوٹ کے لئے کہاں تک کامیابی ہوئی ہے۔ اوور"...... دوسری طرف سے سوال کیا گیا۔

"باس۔ کافی حد تک ہم کامیاب ہو چکے ہیں۔ شروع شروع میں ہمیں اس طرف آنے والے شکاریوں کو بائپر کے ذریعے بے دریغ قتل کرنا پڑا تھا۔ آہستہ آہستہ شکاری اس طرف آنے خود بخود بند ہو گئے پھر رات کو زیرو گن کے ذریعے رنگ برنگی چنگاریاں چھوڑی گئیں اور اس قسم کے مختلف حربے اختیار کئے گئے چنانچہ اس علاقے کے لوگوں نے جنگل کو آسیب زدہ سمجھ لیا۔ اب یہاں شکاری آنا بند ہو گئے ہیں اور ہم بڑے سکون سے اپنا کام کر رہے ہیں۔ اوور"...... سیاہ پوش نے تفصیلی رپورٹ دی۔

"ٹھیک ہے۔ میں تمہاری کارکردگی سے خوش ہوں۔ ویسے کبھی کبھی بھولے بھٹکے شکاریوں کے لئے کوئی انتظام کیا گیا ہے۔ اوور"...... شیطان نے پوچھا۔

"یس باس۔ بائپر مشین لئے ہمارے آدمی درختوں میں چھپے رہتے ہیں۔ اوور"...... نمبر ٹو نے جواب دیا۔

"او کے۔ ویسے میں چند دنوں بعد خود بھی تمہارے پاس پہنچنے

والا ہوں۔ اوور''...... دوسری طرف سے بولنے والے نے کہا۔

''مجھے خوشی ہو گی باس۔ اوور''...... سیاہ پوش نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

''او کے۔ ویسے ہر روز مجھے حالات بتا دیا کرنا۔ اوور''...... باس نے کہا

''او کے سر۔ اوور''...... سیاہ پوش نے جواب دیا۔

''او کے۔ اوور اینڈ آل''...... وہی منمناتی ہوئی آواز ابھری اور پھر یکلخت زوں زوں کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ سیاہ پوش نے تمام بٹن آف کر دیئے اور پھر تاریں علیحدہ کرنی شروع کر دیں۔ تاریں علیحدہ کر کے اس نے مشین اٹھا کر واپس الماری میں رکھی اور پھر وہاں سے وہسکی کی بوتل اور گلاس لے کر دوبارہ کرسی پر آ بیٹھا۔

بہزاد محل کے خوبصورت پورچ میں ایک لمبی سی گاڑی رکی اور پھر ڈرائیور نے باہر نکل کر کار کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ پورچ کے ساتھ والے برآمدے میں اس وقت نواب بہزاد علی خان اپنی دونوں لڑکیوں اور بھانجیوں کے ساتھ بذات خود موجود تھے۔ دروازہ کھلا اور ایک طویل القامت اور قوی ہیکل حبشی جس نے خاکی یونیفارم پہنی ہوئی تھی اور جس کے بیلٹ کی دونوں سائیڈوں پر ریوالور لگے ہوئے تھے، باہر نکلا۔ اس کی آنکھیں انتہائی سرخ تھیں۔ برآمدے میں کھڑی ہوئی لڑکیاں اسے دیکھ کر خوف سے سمٹ گئیں۔ واقعی وہ اپنے گہرے کالے رنگ، سرخ آنکھوں اور وسیع و عریض جسم کی وجہ سے انسان کی بجائے کوئی دیو لگ رہا تھا۔ نواب کی آنکھیں بھی اسے دیکھ کر حیرت سے پھیل گئیں۔

پھر حبشی کار سے نکل کر ایک طرف مؤدبانہ انداز میں کھڑا ہو

گیا۔ چند لمحے بعد کار سے ایک درمیانے قد کا خوبصورت نوجوان
باہر نکلا۔ اس کے جسم پر ٹیکنی کلر لباس تھا، چہرہ حماقتوں کی آماجگاہ بنا
ہوا تھا۔ خوبصورت اور موٹی آنکھوں میں معصومیت کی جھلکیاں
نمایاں تھیں۔ جسم بھرا ہوا اور مضبوط تھا۔ اسے دیکھ کر خوف کے
مارے سہمی ہوئی لڑکیاں اچانک کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ نوجوان کی
ہیئت ہی کچھ ایسی تھی۔ نوجوان نے انہیں ہنستا دیکھ کر اپنی آنکھیں
اس طرح جھپکائیں جیسے الو کو پکڑ کر دھوپ میں بٹھا دیا گیا ہو۔

اب نواب صاحب کے چہرے پر بھی شدید حیرت کے آثار
نمایاں تھے۔ ڈرائیور نے کار کا دروازہ بند کر دیا۔ وہ نوجوان آگے
بڑھا اور حیرت سے بُت بنے ہوئے نواب صاحب کے پاس آ کر
رک گیا۔ اس کے پیچھے وہ حبشی بھی تھا۔ نواب صاحب ابھی تک
اپنی حیرت پر قابو نہ پا سکے تھے۔ نوجوان نے ایک لمحے کے لئے
انہیں دیکھا پھر رکوع کے بل جھکتا ہوا انہیں فرشی سلام کرنے لگا۔
ساتھ ہی وہ نقیبوں کی طرح بول رہا تھا۔

”نواب ابن نواب، خاقان ابن خاقان، سلطان ابن سلطان،
بے ایمان ابن، اوہ، سوری پلیز“...... نوجوان نے احمقانہ لہجے میں
کہا تو لڑکیوں کے زوردار قہقہوں سے برآمدہ گونج اٹھا۔

”والی سلطنت پریم نگر“...... اس نے دوبارہ القابات شروع
کئے۔

”یہ کیا بدتمیزی ہے۔ کون ہو تم“...... نواب صاحب نے اس کی

یاوہ گویائی سے جھنجلاتے ہوئے انتہائی تلخ لہجے میں کہا۔

نوجوان اچانک سیدھا ہو گیا اور پھر سینے پر ہاتھ رکھ کر سر کو ذرا
جھکایا اور بولنا شروع کر دیا۔

”آپ کا مہمان مسمی علی عمران۔ ابن رحمان فرسیتدہ سر سلطان با
امن امان حاضر آمد، اب مان یا نہ مان تمہاری مرضی“...... آخری دو
لفظ اس نے اس طرح لہک کر کہے جیسے گانا گا رہا ہو۔ لڑکیوں کے
ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ رہے تھے۔

نواب صاحب حیرت سے گنگ ہوئے کھڑے تھے۔ ان کی سمجھ
میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہیں اور کیا نہ کہیں۔ عجیب چغد سے پالا پڑا
تھا۔ اچانک انہوں نے ہنستی ہوئی لڑکیوں کی طرف غصیلی نظروں
سے دیکھا۔

”تم کیوں ہنس رہی ہو۔ چلی جاؤ یہاں سے“...... نواب
صاحب نے انتہائی تلخ لہجے میں کہا۔

اور لڑکیاں اپنے منہ پر ہاتھ رکھے وہاں سے چل دیں۔ عمران
اب خاموش کھڑا گول گول دیدے گھما رہا تھا۔

نواب صاحب اب عمران سے مخاطب ہوئے۔

”تم نے آتے ہی کیا بکواس شروع کر دی تھی“...... نواب
صاحب کا لہجہ انتہائی تلخ تھا۔

”مجھے افسوس ہے نواب صاحب۔ دراصل میں نے سوچا آپ
بھی روائتی قسم کے نواب صاحب ہوں گے اگر میں نے اس طرح

القاب و آداب کے ساتھ سلام نہ کیا تو فوراً گردن زنی کا حکم صادر کر دیں گے اور پھر ایک خوفناک قسم کا جلاد۔ لیکن ایک بات ہے یہ جوزف بھی کسی جلاد سے کم نہیں۔ یومیہ چھ بوتلیں شراب پی جانا جلادی نہیں تو کیا ہے''...... عمران نے جوزف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو اس کے پیچھے بت بنا کھڑا تھا۔

''یہ کون ہے''...... نواب صاحب نے جوزف کو سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرا باڈی گارڈ۔ کیوں آپ کو پسند آیا۔ کہیں تو اس جیسا آپ کو بھی منگوا دوں''...... عمران نے کہا۔

''تمہیں سر سلطان نے بھیجا ہے''...... نواب صاحب نے پوچھا۔

''جی ہاں''...... عمران نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

''مجھے یقین نہیں آتا کہ سر سلطان تم جیسے مسخرے کو بھیجیں گے''...... نواب صاحب کی آنکھوں میں بے یقینی صاف پڑھی جا سکتی تھی اور عمران نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر آگے بڑھا دیا۔

نواب صاحب نے خاموشی سے اس کے ہاتھوں سے لفافہ لیا۔ اسے کھولا اور خط پڑھنا شروع کر دیا۔

بہزاد

میں علی عمران کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔ یہ تمہاری الجھنیں حل کر دے گا۔ ویسے اس کے مسخرے پن پر مت جانا۔ یہ بظاہر

جتنا مسخرہ ہے اتنا ہی درحقیقت تیز اور ذہین ہے۔ تم بلا تکلف اس سے اپنے تمام مسائل بیان کرو۔

فقط

سلطان احمد

نواب صاحب نے خط پڑھ کر ایک طویل سانس لیا اور ایک بار پھر گہری نظروں سے عمران کا جائزہ لینے لگے۔ عمران کے چہرے پر حماقتوں کی تہہ میں کچھ اور بھی اضافہ ہو گیا۔ چند لمحے تک وہ کچھ سوچتے رہے پھر انہوں نے کاندھے جھٹکے۔ یقیناً وہ کوئی فیصلہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

''اس کا پورا تعارف کراؤ''...... انہوں نے جوزف کو دیکھتے ہوئے عمران سے پوچھا۔

جوزف عمران کے پیچھے اٹن شن کھڑا تھا۔ اس کی سرخ آنکھیں یوں چاروں طرف گھوم رہی تھیں جیسے کوئی شکاری کسی شکار کی تلاش میں ہو۔

''یہ میرا باڈی گارڈ ہے جوزف۔ کیسا ہے''...... عمران نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

''شاندار''...... نواب صاحب نے بغور جوزف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ان کی نظروں میں تحسین کے آثار نمایاں تھے۔

''خاک شاندار، کباڑہ کر کے رکھ دیتا ہے میرا''...... عمران نے دوبارہ منہ بناتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب''...... نواب صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

''جناب۔ چھ بوتل شراب یومیہ پیتا ہے تب اسے ہوش آتا ہے''...... عمران نے اسی لہجے میں کہا۔

''چھ بوتل شراب یومیہ، تب ہوش آتا ہے''...... نواب صاحب نے چونک کر لفظ ہوش پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''جناب۔ گستاخی معاف، کیا میں اپنی نوکری پکی سمجھوں''۔ عمران نے سنجیدگی سے کہا۔

''کیا مطلب۔ نوکری کا کیا مطلب''...... نواب صاحب اس عجیب وغریب سوال سے بوکھلا گئے۔

''بات یہ ہے کہ آپ تو میرا اس طرح انٹرویو لے رہے ہیں جیسے نوکری کے امیدوار سے لیا جاتا ہے''...... عمران نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

''اوہ معاف کرنا۔ عمران بیٹے۔ میں تمہیں بیٹا ہی کہوں گا کیونکہ تم میرے بیٹے کی عمر کے برابر ہو۔ دراصل سچوئشن ہی ایسی بن گئی ہے کہ میں حیرت کے لگا تار جھٹکوں کی زد میں آ گیا تھا۔ آؤ اندر چل کر بیٹھیں''...... نواب صاحب نے کہا۔

''شکر ہے۔ میری تو ٹانگیں کھڑے کھڑے سوکھ گئی ہیں''۔ عمران نے بڑبڑاتے ہوئے کہا لیکن نواب صاحب نے کوئی جواب نہ دیا۔ شاید انہوں نے سنی ان سنی کر دی تھی۔ عمران اور جوزف نواب صاحب کے پیچھے چلتے ہوئے ان کے شاندار اور وسیع و عریض

ڈرائنگ روم میں آ گئے۔

''بیٹھو''...... انہوں نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''جوزف۔ دروازے پر نگرانی کرو''...... عمران نے جوزف کو حکم دیا اور جوزف بغیر کچھ بولے فوجی انداز میں اباؤٹ ٹرن ہوا پھر مارچ کرتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر چلا گیا۔

''ہاں تو نواب صاحب۔ اب آپ مجھے تفصیل سے بتائیں کیا واقعہ ہے''...... عمران نے سنجیدگی سے نواب صاحب سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''میرے خیال میں اب تم آرام کرتے، ڈنر کے بعد تمہیں تمام تفصیل سے آگاہ کر دوں گا''...... نواب صاحب نے کہا۔

اتنے میں ایک ملازمہ کافی کا جگ اور پیالیاں لے آئی۔ اس نے جگ سے دونوں پیالیوں میں کافی ڈالی اور بڑے ادب سے عمران اور نواب صاحب کے سامنے پیالیاں رکھ کر واپس چلی گئی۔

''نہیں۔ میرے خیال میں آپ ابھی بتا دیں تاکہ میں ڈنر تک اس کے متعلق کوئی پروگرام بنا لوں۔ میں اس سلسلے میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا''...... عمران نے سنجیدگی سے کہا۔

''بہتر جیسے تمہاری مرضی''...... اور پھر نواب صاحب نے تمام واقعات پوری تفصیل کے ساتھ بتا دیئے اور اس کے ساتھ ساتھ ریاست کے نقصانات کا بھی ذکر کیا۔ جس میں شکاریوں سے ہونے

والی آمدنی کے علاوہ جنگل سے لکڑی کی برآمد کا کاروبار بھی تھا۔ انہوں نے یہ شاید اس لئے کہا تھا کہ عمران کی نظروں میں ان واقعات کی اہمیت اجاگر ہو سکے۔

لیکن عمران کو ریاست کے نفع و نقصان سے کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ تو سر سلطان کی ذاتی درخواست پر یہاں چلا آیا تھا۔ سر سلطان نے اسے بلا کر ذاتی طور پر درخواست کی تھی اور چونکہ عمران اور اس کی ٹیم کافی دنوں سے بالکل فارغ تھے۔ عمران نے سوچا چلو بے کار سے بے گار ہی بھلی۔ کام بھی ہو جائے گا اور تفریح بھی۔ پریم نگر کے متعلق وہ بھی سب کچھ جانتا تھا چنانچہ وہ جوزف کو ساتھ لے کر یہاں چلا آیا لیکن اب تمام واقعات سن کر اس کی دلچسپی اس واقعہ سے بڑھ گئی تھی۔ حالات واقعی دلچسپ تھے۔ اچانک بغیر کسی ہتھیار کے شکاریوں کی گردنیں صابن کی طرح کٹ جائیں اور پھر رات کو جنگل سے بلند ہونے والی رنگا رنگ شعاعیں اور چنگاریاں یقیناً دلچسپ معاملہ تھا۔

''بہتر نواب صاحب میں کام کرنے کو تیار ہوں لیکن صرف دو شرائط پر''..... عمران نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

اس کے چہرے پر اتنی سنجیدگی طاری تھی کہ نواب صاحب حیرت سے اس کی طرف تک رہے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے یہ آدمی ہے یا گرگٹ، ہر لمحے رنگ بدلتا ہے۔

''کون سی شرائط''..... نواب صاحب نے چونکتے ہوئے کہا۔

''نمبر ایک میں جو کام بھی کروں آپ مجھ سے اس کی رپورٹ نہ مانگیں بالآخر آپ کو سب کچھ پتہ چل جائے گا''..... عمران نے پہلی شرط پیش کی۔

''مجھے منظور ہے''..... نواب صاحب نے بلا تامل کہا۔

''نمبر دو جوزف کو روزانہ چھ بوتل شراب مہیا کرنا آپ کے ذمے''۔ عمران نے دوسری شرط بتاتے ہوئے کہا۔

''بھلا یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔ میں اپنے مہمانوں کی ضرورتوں کا ذمہ دار ہوں''..... نواب صاحب نے قدرے ناگواری سے کہا۔

''اوہ معاف کیجئے گا۔ آپ تو نواب ہیں۔ میں نہ جانے کیا سمجھ بیٹھا تھا''..... عمران نے اچانک کہا۔ اب پھر اس کے چہرے پر حماقتیں جلوہ گر تھیں اور نواب صاحب جھینپ کر رہ گئے۔

''اچھا۔ اب تم آرام کرو تمہارے اور تمہارے باڈی گارڈ کے لئے کمرے ٹھیک کر دیئے گئے ہیں۔ ملاقات ڈنر ٹیبل پر ہو گی''۔ نواب صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''یقیناً۔ یقیناً''..... عمران نے سر جھکاتے ہوئے کہا پھر نواب صاحب نے میز پر پڑی ہوئی ٹیبل بیل بجائی۔ فوراً ایک ملازم اندر آ گیا۔ اس نے جھک کر سلام کیا اور پھر مؤدبانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔

''دیکھو جمن۔ مہمانوں کی ان کے کمروں تک رہنمائی کرو''۔

نواب صاحب نے جمن سے کہا اور خود عمران سے ہاتھ ملا کر ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئے۔

''چلیئے رہنما صاحب''...... عمران نے جمن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور جمن نے انکساری سے دانت نکال دیئے۔ پھر باہر نکل کر اس نے جوزف کو بھی ساتھ لے لیا۔

''ہمارے بھی ہیں رہنما کیسے کیسے''...... عمران نے چلتے چلتے گانا شروع کر دیا لیکن کسی نے کوئی جواب نہ دیا تو پھر جھینپ کر خاموش ہو گیا۔ نجانے کیوں وہ اب بغیر کسی مقصد کے حماقتیں کر جاتا تھا۔ شاید یہ چیز اس کی فطرت میں داخل ہو چکی تھی۔

پھر وہ اپنے کمرے میں پہنچ گئے۔ جوزف نے تو کمرے میں پہنچتے ہی اپنے سامان سے جو ان سے پہلے ان کے کمروں تک پہنچ چکا تھا، شراب کی بوتل نکالی اور پینا شروع کر دی۔

عمران نے پہلے غسل کیا اور پھر بستر پر لیٹ کر اس واقعہ کے متعلق سوچنا شروع کر دیا۔ سوچتے سوچتے اسے نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا اور پھر چند لمحوں بعد وہ دنیا و مافیہا سے دور خوابوں کی حسین وادیوں میں کھو گیا۔

بوتل خالی ہو جانے کے بعد سیاہ پوش کرسی سے اٹھا۔ اس نے سیاہ لبادہ اتار دیا۔ لبادے کے نیچے ایک اچھی قسم کا سوٹ موجود تھا۔ اس نے لبادہ کمرے کی دیوار کے ساتھ کھڑی ہوئی ایک وارڈ روب میں لٹکا دیا اور خود کمرے سے باہر نکل آیا۔ اب وہ گیلری میں تھا پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا گیلری کے آخری کونے کی طرف چلا گیا۔ گیلری کے اختتام پر ایک سائیڈ میں ایک دروازہ تھا۔ وہ بھی بند تھا۔ اس نے تین بار مخصوص انداز میں دروازے پر دستک دی۔ دروازے کے درمیان سے ایک چھوٹا سا سوراخ ہو گیا۔ سوراخ کے پرلی طرف کوئی آنکھ اسے دیکھ رہی تھی پھر دروازے بے آواز کھلنے لگا۔ یہ بھی ایک بہت بڑا ہال تھا۔ اس ہال میں بڑی بڑی دیوہیکل مشین لگی ہوئی تھی۔

ہال کے درمیان میں ایک بہت بڑی مشین فٹ تھی جس پر

تقریباً پندرہ آدمی کام کر رہے تھے۔ یہ مشین پتھر کوٹنے والی مشین سے قدرے ملتی جلتی تھی۔ اس کی خوفناک گڑگڑاہٹ سے سارا ہال گونج رہا تھا۔ یہ مشین زمین کی گہرائیوں سے مٹی کے بڑے بڑے ڈھیلے نکالتی اور پھر وہ ڈھیلے مشین کے مختلف حصوں میں بڑی تیزی کے ساتھ گردش کرنے لگتے۔ مشین کی ایک سائیڈ پر ایک کافی بڑا میٹر نصب تھا جس کے ڈائل پر لگی ہوئی مختلف سوئیاں تھرتھرا رہی تھیں۔ ایک نوجوان مستقل طور پر اس میٹر پر کھڑا سوئیوں کے ارتعاش کو بغور دیکھ رہا تھا اور وقتاً فوقتاً وہ نمبروں کو ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھوٹی سی کاپی پر نوٹ بھی کر لیتا تھا۔

ہال میں داخل ہونے والا نمبر ٹو تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا سیدھا اس نوجوان کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ وہ اس کے قریب آ کر رک گیا۔ میٹر پر کام کرنے والے نوجوان نے چونک کر اسے دیکھا پھر انتہائی مؤدبانہ انداز میں اسے سلام کیا۔

''مسٹر سیٹھی۔ کیا پوزیشن ہے''...... نمبر ٹو نے پوچھا۔

''باس سو فٹ گہرائی تک کچھ نہیں ہے اس کے بعد تین سو فٹ کی گہرائی میں چند ذرات ملے ہیں لیکن وہ بھی ناکارہ ہیں۔ آگے پچاس فٹ تک چیک کیا جانا ہے''...... نوجوان نے جسے سیٹھی کے نام سے پکارا گیا تھا، جواب میں کہا۔

''ہوں''...... نمبر دو نے بغور میٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا پھر وہ کندھے جھٹکتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ہال کے آخری سرے پر ایک

دروازہ تھا۔ وہ دروازے پر مخصوص انداز میں دستک دینے لگا۔ دوسرے لمحے دروازہ کھل گیا اور ایک سٹین گن کی نال اس کے سینے پر آ لگی۔

''شیطان''...... سٹین گن بردار نے جو ایک قوی ہیکل غنڈہ تھا، دھیرے سے کہا۔

''دس کروڑ میں دو شیطان''...... نمبر ٹو نے جواباً کہا اور سٹین گن کا رخ بدل گیا۔ وہ غنڈہ ادب سے ایک طرف ہٹ گیا۔ نمبر ٹو اندر داخل ہو گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کا دوسرا دروازہ اوپر چھت کے قریب لگا ہوا تھا اور دروازے تک سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ وہ سیڑھیاں چڑھتا ہوا دروازہ تک پہنچ گیا۔ یہاں بھی اس نے وہی مخصوص دستک دی اور پھر پہلے کی طرح دروازہ کھلتے ہی ایک سٹین گن کی نال اس کے سینے پر آ کر ٹک گئی۔

''شیطان''...... سٹین گن بردار بڑبڑایا۔

''دس کروڑ میں دو شیطان''...... نمبر ٹو نے اسی لہجے میں کہا اور سٹین گن کا رخ بدل گیا۔ وہ دروازہ کراس کر گیا۔ اب وہ ایک وسیع و عریض میدان میں تھا جس میں سینکڑوں کی تعداد میں سڑکیں بنانے والی مشینیں پتھر لے آنے اور لے جانے والی مشین اور اسی قسم کی دوسری مشینیں کام کر رہی تھیں۔ اس میدان میں آسمان نظر نہیں آ رہا تھا۔ میدان کے اوپر چھت تھی لیکن یہ میدان بھی انجینئرنگ کا اعلیٰ نمونہ تھا۔

میدان کی سائیڈوں میں عمارتیں تعمیر کی جا رہی تھیں۔ نمبر ٹو نے ایک لمحے کے لئے چاروں طرف دیکھا اور پھر وہ میدان کے ایک کونے کی طرف بڑھ گیا جہاں ایک چھوٹا سا کیبن بنا ہوا تھا۔ چند لمحے بعد وہ کیبن میں پہنچ گیا۔ کیبن میں موجود دو افراد اسے دیکھ کر مؤدبانہ طور پر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہیلو"...... نمبر ٹو نے لبوں پر قدرے مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا اور ان دونوں نے بھی جواب میں ہیلو کہا اور پھر نمبر ٹو ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں بھی اس کے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ کرسیوں کے درمیان ایک آفس ٹیبل موجود تھی۔ اس پر ایک بہت بڑا نقشہ پھیلا ہوا تھا جس پر سرخ اور سیاہ رنگ میں بے شمار نشانات بنے ہوئے تھے۔ نمبر ٹو نقشے پر جھک گیا۔ چند لمحوں تک وہ بغور نقشے کو دیکھتا رہا۔

"کتنے عرصے میں مکمل ہو جائے گا یہ پروجیکٹ"...... نمبر ون نے ان میں سے ایک سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"باس۔ اس پراجیکٹ کی تکمیل کے لئے کم از کم چودہ دن لگ جائیں گے"...... اس آدمی نے جواب دیا۔

"یہ تو بہت زیادہ عرصہ ہے۔ کمار۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ پروجیکٹ جتنی جلدی ہو سکے مکمل ہو جائے"...... نمبر ٹو نے اپنے چہرے پر ناگواری کے تاثرات لاتے ہوئے کہا۔

"لیکن باس یہ پروجیکٹ بہت زیادہ اہم ہے۔ میں نہیں چاہتا

کہ جلدی کی وجہ سے اس کام میں کوئی خامی رہ جائے"...... اس آدمی نے جس کا نام کمار تھا مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"یہ صحیح ہے مسٹر کمار۔ لیکن آپ کو علم ہے کہ ہم اس وقت کتنی خطرناک پوزیشن میں ہیں۔ کسی بھی لمحے ہمیں ٹریپ کیا جا سکتا ہے پھر ہماری دو سال کی محنت پر مکمل پانی پھر جائے گا۔ پوائنٹ نمبر فورٹین کی تکمیل سے کم از کم ہمیں یہ تو اطمینان ہو جائے گا کہ ہمیں اس معاملے میں ٹریپ کرنے میں کوئی کامیاب نہ ہو سکے گا"۔ نمبر ٹو نے کہا۔

"ٹھیک ہے باس۔ یہ پہلو میرے ذہن میں نہیں آیا تھا اب میں اپنی پوری توجہ اس پروجیکٹ پر لگا دوں گا اور مجھے امید ہے دن رات کام کر کے میں زیادہ سے زیادہ چار پانچ دنوں میں اسے مکمل کر لوں گا"...... کمار نے کہا۔

"او کے"...... نمبر ٹو نے مطمئن انداز میں کہا۔

"مسٹر میلکم کتنی بائیپر مشینیں اس وقت کام کر رہی ہیں"...... نمبر ٹو نے دوسرے نوجوان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"باس۔ دس آدمی یہ مشینیں لئے چوبیں گھنٹے جنگل میں موجود رہتے ہیں ویسے تو پچھلے ایک مہینے سے ممنوعہ علاقہ کے قریب بھی کوئی شکاری نہیں پھٹکا"...... دوسرے نوجوان نے جس کا نام میلکم تھا، نمبر ٹو کو نہایت مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ پھر بھی ہوشیار رہیں اور اگر ایسی کوئی بات ہو تو

مجھے ضرور اطلاع دیں''...... نمبر ٹو نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''بہت بہتر باس''...... میلکم نے جواب دیا اور پھر نمبر ٹو وہاں سے اٹھا اور کیبن سے باہر نکل آیا۔

ڈنر ٹیبل پر عمران کا بڑی شدت سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ اس انتظار میں نواب صاحب سے زیادہ ان کی بیٹیاں اور بھانجیاں بے چین تھیں کیونکہ استقبال کے وقت ہی عمران کی حماقتوں نے ان کے لئے دلچسپ سامانِ تفریح مہیا کر دیا تھا اور اب ان سب نے مل کر فیصلہ کیا تھا کہ اس احمق آدمی کو اور زیادہ بے وقوف بنایا جائے۔ ملازم عمران کو بلانے گیا ہوا تھا چنانچہ تھوڑی دیر بعد عمران کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے ڈنر سوٹ کی بجائے سلیپنگ سوٹ پہنا ہوا تھا۔ عمران کے چہرے پر احمقانہ مسکراہٹ عیاں تھی اور پھر چہرہ تو تھا ہی حماقتوں کی آماجگاہ۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا میز کی طرف آیا۔ نواب صاحب نے اسے اپنے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

عمران کا لباس دیکھ کر ان کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات

ابھرے تھے لیکن انہوں نے اپنے اوپر قابو پا لیا۔ عمران کرسی پر بیٹھ گیا۔ چاروں لڑکیاں اسے بغور دیکھ رہی تھیں۔ عمران نے پہلے چاروں طرف نظریں گھما کر کمرے کو دیکھا پھر جیسے ہی اس کی نظریں ماہ رخ سے ٹکرائیں، وہ شرما کر اپنی جگہ سمٹ گیا۔ اس کی اداکاری میں اتنی بے ساختگی تھی کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ یہ سب کچھ اداکاری ہے۔ اسے شرماتا دیکھ کر لڑکیوں کے چہرے ہنسی سے سرخ ہو گئے لیکن نواب صاحب کی وجہ سے وہ کھل کر نہیں ہنس سکتی تھیں۔ ملازموں نے ٹیبل پر کھانا سرو کرنا شروع کر دیا۔

”انکل۔ میرے خیال میں کھانے سے پہلے تعارف ہو جائے تو بہتر ہے“...... اچانک شگفتہ نے کہا۔

اس سے پہلے کہ نواب صاحب جواب دیتے، عمران بول پڑا۔

”محترم۔ میں سمجھا نہیں کیا یہ کسی نئی ڈش کا نام ہے یا کوئی مخصوص ورزش ہے جو کھانے سے پہلے ضروری ہے“...... عمران نے احمقانہ لہجے میں کہا۔

”کیا مطلب“...... نواب صاحب اور دیگر لڑکیوں کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔

”میرا مطلب ہے آپ نے کہا تھا کہ کھانے سے پہلے تعارف“...... عمران نے شرماتے ہوئے کہا اور لڑکیوں سے اپنے قہقہے ضبط نہ ہو سکے۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں اور نواب صاحب بھی بے ساختہ مسکرا پڑے۔

عمران محفل کا یہ رنگ دیکھ کر اور زیادہ جھینپ گیا۔ اس کا یہ جھینپنا لڑکیوں کے لئے اور بھی قیامت ہو گیا۔ ہنستے ہنستے ان کے پیٹ میں بل پڑ رہے تھے۔ اچانک نواب صاحب سنجیدہ ہو گئے اور انہوں نے لڑکیوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”آپ کو شرم آنی چاہیئے۔ کیا یہی تہذیب ہے جس کا مظاہرہ آپ کر رہی ہیں“...... نواب صاحب نے کہا اور لڑکیوں نے مجبوراً اپنے قہقہوں کا گلا گھونٹ دیا لیکن ان کے چہرے اب بھی سرخ ہو رہے تھے۔

عمران ہر چیز سے بے پرواہ اس طرح کھانے پر ڈٹا ہوا تھا جیسے وہ زندگی میں پہلی بار کھانا کھا رہا ہے۔ کھانے کے دوران چھری کانٹے کا استعمال وہ جس طرح کر رہا تھا وہ مضحکہ خیز ضرور تھا۔ وہ چھری کو بائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھا اور کانٹا دائیں ہاتھ میں۔ وہ جب چھری سے گوشت کاٹنے میں ناکام ہو جاتا تو ایک لمحے لئے چور نظروں سے چاروں طرف دیکھتا کہ کہیں کوئی دیکھ نہ رہا ہو اور پھر پھرتی سے کانٹا رکھ کر ہاتھ سے گوشت کی بوٹی منہ میں رکھ لیتا۔ لڑکیاں کنکھیوں سے یہ تمام ڈرامہ دیکھ رہی تھیں لیکن نواب صاحب کی وجہ سے اپنے آپ پر جبر کئے بیٹھی تھیں۔ خدا خدا کر کے کھانا ختم ہوا۔ وہ سب میز سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ عمران نے رومال سے ہاتھ صاف کرنے کی بجائے اپنی شرٹ کے دامن سے صاف کر لئے۔ نواب صاحب کے چہرے پر یہ بدتمیزی دیکھ کر

انتہائی غصہ کے آثار پیدا ہو گئے اور وہ منہ سے تو کچھ نہ بولے البتہ غصے سے پیر پٹکتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ اب لڑکیوں کی بن آئی۔ انہوں نے عمران کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ عمران کے چہرے پر پریشانی کے آثار صاف نمایاں تھے۔ اس کی حرکات و سکنات سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی دیہاتی ایڈوانس شہری لڑکیوں کے درمیان پھنس گیا ہو۔

"آپ کا نام کیا ہے"...... اچانک شگفتہ نے سوال کیا۔

"علی عمران ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی (آکسن)"...... عمران نے بڑے وقار اور تمکنت سے جواب دیا۔

"ہم نہیں مانتیں"...... لڑکیوں نے بیک وقت حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"نہ مانئے۔ آپ کے نہ ماننے سے مجھے کون سا بخار ہو جائے گا"...... عمران نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ برا مان گئے ہیں"...... ماہ رخ نے عمران کی ناراضگی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"آپ نے مجھے جان کہہ کر تو نہیں پکارا"...... عمران نے شرماتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب"...... لڑکیاں حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔ ان کی سمجھ میں عمران کا یہ فقرہ نہیں آیا تھا۔

"مجھے شرم آتی ہے"...... عمران نے شرم سے دوہرا ہوتے ہوئے

کہا اور لڑکیوں کی حیرت اور سنجیدگی میں اضافہ ہو گیا۔

"آپ براہ مہربانی وضاحت کریں"...... ماہ رخ نے سنجیدگی سے کہا۔

"مم...... مم...... میرا مطلب ہے میں کیوں برا مانتا۔ برا تو وہ مانتے ہیں جنہیں جان کہا جائے۔ کیا آپ نے یہ مصرعہ نہیں سنا۔

جان کہہ کر پکارا تو برا مان گئے۔

عمران نے شرماتے شرماتے آخر وضاحت کر دی اور لڑکیوں پر جو ہنسی کا دورہ پڑا تو رکنے میں نہیں آ رہا تھا۔ عمران انہیں اس بری طرح ہنستا دیکھ کر پہلے تو گھبرا گیا پھر یکلخت اس پر گہری سنجیدگی طاری ہو گئی اور وہ برا سا منہ بناتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔ لڑکیاں اب بھی بری طرح ہنس رہی تھیں۔ ان کے قہقہوں کی آواز کافی دور تک عمران کے کانوں میں آتی رہی۔ وہ شاید خود ان سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ اس نے موقع غنیمت جان کر کمرے سے باہر نکلنے میں پھرتی دکھائی اور وہاں سے سیدھا جوزف کے کمرے میں آیا۔ جوزف کھانا اپنے کمرے میں کھا کر اس وقت شراب کی بوتل منہ سے لگائے ہوئے تھا۔ عمران دروازہ کھول کر اچانک اندر داخل ہو گیا۔ جوزف نے جو اسے یوں اچانک اپنے سر پر مسلط دیکھا تو جھٹ بوتل ایک طرف کر کے اٹن شن کھڑا ہو گیا۔

"باس۔ بڑی اچھی جگہ ہے۔ نواب صاحب نے دس بوتلیں بھجوائی ہیں"...... جوزف نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"تو اب ان کا کباڑہ کرا کر چھوڑے گا"...... عمران نے برا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"نہیں باس۔ نواب گریٹ ہے"...... جوزف نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

"کمال ہے۔ پہلے میں گریٹ تھا اب نواب گریٹ ہو گیا ہے کل کو کوئی تمہیں بارہ بوتلیں دے دے تو وہ گریٹ ہو جائے گا۔ جوزف تم نے ہماری توہین کی ہے"...... عمران نے انتہائی غصیلے لہجے میں کہا۔

"نو باس۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ تم تو گریٹسٹ ہو باس۔ تم میرے باپ ہو۔ باس ہو میرے"...... جوزف نے کہا۔

"بس بس اب زیادہ مکھن نہ لگانا۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ ہم جنگل میں شکار کھیلیں گے"...... عمران نے آنکھیں گھماتے ہوئے کہا۔

"شکار اور اس وقت یعنی رات کو۔ باس کیا تم نے بھی بوتل پی لی ہے"...... جوزف نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"ابے الو کا شکار رات کو نہیں کیا جاتا تو کیا دن میں کیا جاتا ہے"...... عمران نے منہ بناتے ہوئے اسے اپنے شکار کی پوری تفصیل بتائی اور جوزف اپنی آنکھیں یوں جھپکنے لگا جیسے وہ خود الو ہو اور عمران اس کے شکار پر جا رہا ہو۔

"تمہاری مرضی ہے باس میں تیار ہوں۔ لیکن ایک بات ہے۔

الو ہمیں رات کو نظر کہاں آئے گا"۔"...... آخر کار جوزف نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں ہمیں الو نظر نہیں آئے گا۔ ہم تو الو کو نظر آ جائیں گے بس اتنا ہی کافی ہے"...... عمران نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا پھر عمران کپڑے تبدیل کرنے چلا گیا۔ کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ نواب صاحب سے ملا اور انہیں ہینڈ گرنیڈ، دو رائفل اور کارتوس مہیا کرنے کے لئے کہا۔ نواب صاحب نے اس وقت جنگل جانے سے انہیں روکا لیکن عمران کے اصرار پر آخر کار انہوں نے سامان مہیا کرنے کی حامی بھر لی۔

کلب کی رونقیں اپنے پورے عروج پر تھیں۔ تھری کراس کلب ریاست پریم نگر کا سب سے عالی شان، ماڈرن اور مہنگا کلب تھا۔ یہ اپنے عریاں رقص، بہترین سجاوٹ اور نیم عریاں ویٹرسوں کے لئے پورے ملک میں دور دور تک مشہور تھا۔ جو سیاح بھی پریم نگر آتا وہ ضرور اس کلب میں حاضری دیتا۔ سیاحوں کا کہنا تھا کہ اس کلب میں جائے بغیر پریم نگر کی سیر مکمل نہیں ہوتی۔ آج کلب کے ڈائننگ ہال میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ ہال میں تمام بتیاں گل ہوگئیں اور اسٹیج کی دودھیا روشنی برقرار رہی۔ تمام لوگوں کی نظریں اسٹیج پر مرکوز ہوگئیں۔ چند لمحوں میں حسین و جمیل ازابیلا اسٹیج پر رقص کرنے کے لئے موجود تھی۔ سب لوگ ازابیلا کا رقص انہماک سے دیکھتے تھے۔ نوشینہ بھی ازابیلا کا رقص دیکھنے لگی جو اس انتہائی مختصر لباس میں تھی۔ دودھیا روشنی میں اس کا عریاں جسم چمک رہا تھا۔

ازابیلا واقعی خوبصورت جسم کی مالک تھی۔

کبھی کبھار ہی کوئی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ازابیلا واقعی انتہائی مہارت سے ناچ رہی تھی۔ اس کا جسم بل کھا رہا تھا اور رواں رواں تھرک رہا تھا۔

نوشینہ کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھرے اور اس نے منہ پھیر لیا لیکن منہ پھیرتے ہی چونک پڑی۔ اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔ کیونکہ سامنے بیٹھے ہوئے نوجوان مارٹن کے ہاتھ میں ایک خوفناک ریوالور تھا جس کا دھانہ ہی اسے نظر آ رہا تھا۔ باقی ریوالور پر اس نے رومال لپیٹ رکھا تھا۔

"مس نوشینہ۔ خاموشی سے اٹھ کر یہاں سے باہر نکل چلیئے ورنہ"...... مارٹن کا لہجہ انتہائی تلخ تھا۔ نوشینہ نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا۔

"اگر میں نہ جاؤں تو"...... نوشینہ نے کہا۔

"تو میں تمہیں گولی مار دوں گا"...... مارٹن نے تلخ لہجے میں کہا۔ لیکن اس کی آواز اتنی آہستہ تھی کہ صرف نوشینہ تک ہی پہنچ سکی تھی۔

دوسرے لمحے نوشینہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی پھر اس نے میز پر سے پرس اٹھایا اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی ہال سے باہر آ گئی۔ اس کے پیچھے مارٹن بھی تھا۔

عمران کی جیپ جیسے ہی گھنے جنگل میں داخل ہوئی، جوزف کے منہ سے مسرت بھری قلقاری نکلی۔ جنگل کی مخصوص خوشبو نے اس کے جسم میں خوشی کی لہر دوڑا دی تھی۔ رات کے وقت جنگل بڑا بھیانک معلوم ہو رہا تھا۔ عمران نے جیپ کی ہیڈ لائٹس بجھا رکھی تھی۔ مختلف درندوں کی دھاڑیں وقتاً فوقتاً ان کے کانوں میں گونجتیں لیکن عمران ان سب سے بے پرواہ بڑی مہارت سے جیپ ڈرائیو کر رہا تھا۔ جیپ تیزی سے مختلف درختوں کے درمیان سے ہوتی ہوئی آگے بڑھی چلی جا رہی تھی۔ کبھی کبھی کوئی درندہ جیپ کے آگے سے نکل جاتا۔ جیپ جنگل کے شمالی حصے کی طرف جا رہی تھی۔ کافی دور جا کر عمران نے جیپ ایک گھنے درخت کے نیچے روک دی۔

''نیچے اترو''...... عمران نے جیپ سے اترتے ہوئے جوزف

سے کہا اور جوزف ایک چھلانگ لگا کر جیپ سے نیچے آ گیا پھر وہ دونوں ہاتھوں میں رائفلیں پکڑے آگے بڑھتے چلے گئے۔

''باس۔ مجھے تو کوئی اُلو نظر نہیں آ رہا''...... جوزف نے چاروں طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو کافی دیر سے نظر آ رہا ہے''...... عمران نے چلتے چلتے کہا۔

''کہاں باس''...... جوزف نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ جو میرے ساتھ رائفل پکڑے آ رہا ہے''...... عمران نے جوزف کی طرف اشارہ کیا۔

''ہی...... ہی...... ہی۔ باس اگر میں الو ہوں تو تم الو کے باس ہو۔ یعنی گریٹ الو''...... جوزف نے ہنستے ہوئے کہا تو عمران جھینپ گیا۔ جنگل کی فضا نے جوزف کا دماغ روشن کر دیا تھا۔

اچانک چلتے چلتے جوزف ٹھٹک کر رک گیا۔ عمران بھی اسے رکتا ہوا دیکھ کر ٹھہر گیا۔ جوزف بار بار ناک سکیڑ کر سونگھ رہا تھا جیسے کسی کی خوشبو سونگھ رہا ہو۔

''باس۔ مجھے خطرہ محسوس ہو رہا ہے''...... جوزف نے ناک سکیڑتے ہوئے کہا۔

''کیسا خطرہ''...... عمران نے پوچھا۔

''باس۔ ہمارے نزدیک کچھ اور انسان بھی موجود ہیں''۔ جوزف نے کہا۔

"انسان اور اس وقت۔ بھوت وغیرہ ہوں گے"...... عمران نے کہا۔

اچانک ایک تیز زناٹے کی آواز فضا میں گونج اٹھی۔ عمران نے تیزی سے جوزف کو دھکا دے کر نیچے گرا دیا اور جوزف کے ساتھ خود بھی نیچے جا گرا کوئی چیز زناٹے دار آواز پیدا کرتی ہوئی جوزف اور عمران کے درمیان سے گزر گئی۔ جوزف نے زمین پر گرتے ہی پھرتی سے کروٹ بدل کر رائفل کو کاندھے سے لگایا اور ٹریگر دبا دیا۔ دوسرے لمحے جنگل ایک زور دار انسانی چیخ سے گونج اٹھا۔

پھر ایک انسانی جسم سائیڈ والے گھنے درخت سے نیچے زمین پر گرا اس کے ہاتھ سے ایک پستول نما آلہ بھی گرا تھا۔

"جوزف کروٹیں لے کر یہاں سے ہٹ جاؤ دوسرا وار ہو گا"...... عمران نے دبی آواز میں کہا اور پھر عمران اور جوزف تیزی سے زمین پر کروٹیں لینے لگے پھر فضا میں دو تین بار تیز زناٹے کی آوازیں گونجیں۔ عمران اور جوزف متواتر کروٹیں بدل رہے تھے۔

پھر اچانک عمران کی رائفل سے ایک شعلہ نکلا اور دوسرے لمحے۔ ایک اور انسانی جسم ایک درخت سے نیچے آ گرا پھر وہاں خاموشی چھا گئی۔ عمران اور جوزف ایک درخت کے تنے کے ساتھ لگے پڑے تھے لیکن خاموشی جلد ہی دھاڑ میں تبدیل ہو گئی۔ یہ شیر کی آواز تھی جو شکار کی بو پا کر قریب آ گیا۔

"خطرہ۔ باس شیر حملہ کرنے والا ہے"...... جوزف نے دبے

الفاظ میں عمران سے کہا۔

"تم کروٹیں لیتے ہوئے ساتھ والے کسی درخت کے پیچھے چھپ جاؤ"...... عمران نے سرد آواز میں کہا اور جوزف کروٹیں لیتا ہوا اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ عمران دم سادھے رائفل کاندھے سے لگائے درخت کے تنے کے ساتھ پڑا تھا۔ شیر نے دوسری دھاڑ ماری اس کی دوسری دھاڑ سے عمران کے کان گونج اٹھے۔ شیر بالکل قریب آ چکا تھا۔ عمران رائفل کے ٹریگر پر انگلی رکھے چیتے کی سی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ ویسے اس کا زیادہ دھیان اس طرف تھا۔ دوسرے لمحے اس کے ذہن میں شیر سے بچنے کی ایک اور ترکیب آئی۔ اس نے اٹھ کر درخت پر چڑھنا چاہا لیکن پھر وہ دوبارہ نیچے گر گیا کیونکہ درخت پر ایک بہت بڑا سانپ لٹکا ہوا تھا۔ سانپ کا منہ اس کے سر سے تقریباً پانچ فٹ اوپر تھا اور اس کی سرخ چمکتی ہوئی آنکھیں عمران پر گڑی ہوئی تھیں۔ عمران چاروں طرف سے گھر چکا تھا۔ درخت پر سانپ عمران کی تاک لگائے ہوئے تھا۔ بائیں طرف شیر گھات میں تھا اور باقی سائیڈوں پر انجانے دشمن تھے۔ عمران کو اپنے اعصاب میں کشیدگی محسوس ہوئی لیکن پھر وہ اپنی بے پناہ قوت ارادی کے بل پر پرسکون ہوتا چلا گیا کیونکہ اسے اچھی طرح علم تھا کہ اگر وہ ذرا بھی نروس ہوا تو مارا جائے گا۔ دوسرے لمحے اسے سامنے والی جھاڑیوں سے دو سرخ بلب چمکتے ہوئے نظر آئے وہ سمجھ گیا کہ یہ شیر ہے۔ اس نے پھرتی

سے رائفل کندھے سے لگائی اور ان بلبوں کے درمیان نشانہ لینے لگا
دوسرے لمحے وہ ٹریگر دبا چکا تھا۔ ادھر اسی لمحے شیر نے اس پر
جست لگا دی۔ رائفل ٹھس ہو کر رہ گئی۔ وہ جام ہو چکی تھی۔ عمران
موت کے منہ میں پہنچ چکا تھا لیکن اس نے انتہائی تیزی سے
قلابازی کھائی اور شیر عین اسی جگہ پر آ گرا جہاں ایک سیکنڈ پہلے وہ
موجود تھا۔ صورتحال کو قابو سے باہر دیکھتے ہوئے وہ رائفل پھینک کر
اٹھ کھڑا ہوا۔ شیر جیسے ہی زمین پر گرا، اپنے شکار کو وہاں نہ پا کر وہ
تیزی سے گھوم گیا۔ اب شیر اور عمران ایک دوسرے کے سامنے
تھے۔ عمران نے بیلٹ سے لگا ہوا ایک تیز دھار خنجر نکال کر بائیں
ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا اور اب وہ شیر کے ساتھ دو بدو لڑائی کے لئے
تیار تھا۔ شیر چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہا پھر اس کی پچھلی ٹانگیں
زمین پر لگیں اور وہ یکدم تیزی سے چاروں طرف چکر کھانے لگا۔
دوسرے لمحے شیر نے دوبارہ عمران پر جست لگا دی۔ عمران پھرتی
سے ایک طرف ہٹ گیا۔ اس کے ہٹنے کا انداز ایسا تھا جیسے برق
لہرائی ہو۔ شیر جیسے ہی وہاں آ گرا، عمران نے جست لگائی اور
دوسرے لمحے وہ شیر کی پیٹھ پر سوار تھا۔ اس نے دونوں ٹانگوں سے
شیر کے پیٹ کے گرد قینچی ڈال دی اور دایاں ہاتھ شیر کی گردن کے
گرد لپیٹ دیا۔ بائیں ہاتھ میں پکڑا ہوا خنجر کھچ کی آواز سے شیر
کے پہلو میں گھس گیا۔

شیر بھیانک آواز میں دھاڑا۔ یہ سب کچھ ایک لمحے کے اندر ہو

گیا تھا۔ شیر نے اپنے جسم کو زور دار جھٹکا دیا تا کہ عمران کو گرا سکے
لیکن عمران اس کی پیٹھ سے جونک کی طرح چمٹ گیا۔ شیر بوکھلا
گیا۔ اسے اس قسم کے شکار سے کبھی پالا نہیں پڑا تھا چنانچہ گھبراہٹ
میں وہ زمین پر گر پڑا۔ اس نے شاید حیوانی جبلت کے تحت اپنے
آپ کو گرایا ہو گا کہ عمران اس کے نیچے آ کر پس جائے۔ شیر کی یہ
چال وقتی طور پر کامیاب رہی کیونکہ عمران بھی اس کے ساتھ ہی
زمین پر آ گرا۔ اس کی دائیں ٹانگ شیر کے جسم کے نیچے آ گئی اور
ٹانگ پر اسے اتنا بوجھ محسوس ہو رہا تھا جیسے کوہ ہمالیہ اس کی ٹانگ پر
آ گرا ہو لیکن وہ مجنونانہ انداز میں لگا تار خنجر مارتا رہا۔ شیر کے جسم
سے خون کے فوارے پھوٹنے لگے۔ دوسرے لمحے شیر گھوم گیا۔ اب
عمران اس کے سامنے پڑا تھا۔ اس کی ٹانگ مفلوج ہو چکی تھی۔ شیر
زخمی ہونے کے بعد اور بھی زیادہ غضبناک ہو گیا تھا اور عمران کو بھی
محسوس ہو گیا تھا کہ چند لمحے بعد شیر کا ایک ہی تھپڑ اس کی گردن
توڑ دے گا۔ مفلوج ٹانگ کی وجہ سے وہ کروٹ بھی نہیں لے سکتا
تھا۔ پھر شیر کا پنجہ زمین سے اٹھا اسی لمحے عمران کی آنکھوں کے آگے
سرخ جھنڈی لہرائی اور عمران کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے جسم میں
شیطانی روح حلول کر گئی ہو۔ اب عمران بھی درندہ بن چکا تھا۔

عمران کے ہاتھ سے خنجر پہلے ہی گر چکا تھا۔ عمران کے حلق سے
ایک زور دار آواز نکلی اور پھر اس سے پہلے کہ شیر کا زور دار تھپڑ اس
کے جسم پر پڑتا، عمران بجلی کی طرح تڑپا اور دوسرے لمحے وہ شیر سے

لپٹ چکا تھا۔ عمران کے ہاتھوں میں شیر کی ایک اگلی اور ایک پچھلی ٹانگ آ گئی اور پھر شیر ایک زور دار دھاڑ مارتا ہوا فضا میں بلند ہو گیا۔ عمران نے شیر کو دونوں ہاتھوں کے زور سے اٹھا لیا تھا۔ انسانی طاقت اور قوت کی انتہا تھی۔ دوسرے لمحے عمران نے شیر کو ایک جھکولا دیا اور وہ سامنے والے درخت سے ٹکرا گیا۔ شیر کا سر زور دار آواز سے درخت کے تنے سے ٹکرایا۔ عمران اپنی پوری قوت لگا چکا تھا اس لئے ردعمل کے طور پر اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھانے لگا اور پھر وہ فضا میں ہاتھ مارتا ہوا لہرا کر زمین پر آ گرا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ شیر اب تکلیف کی وجہ سے مسلسل دھاڑیں مار رہا تھا۔ وہ درخت سے ٹکرانے کے بعد ایک دفعہ پھر اپنے پیروں پر کھڑا ہوا لیکن اس سے پہلے کہ وہ عمران پر جست کرتا، فائر کی آواز سے جنگل گونج اٹھا۔ گولی شیر کا دماغ پھاڑتی ہوئی گزر گئی اور شیر لہرا کر وہیں گر گیا۔ وہ چند لمحے تڑپنے کے بعد ختم ہو گیا۔ عمران اور شیر ایک دوسرے سے پانچ فٹ کے فاصلے پر پڑے تھے۔ عمران بے ہوش پڑا تھا۔ شیر مر چکا تھا۔ یہ گولی جوزف کی رائفل سے نکلی تھی جو وہاں سے بیس فٹ دور ایک درخت کے تنے کے پیچھے موجود تھا۔ جوزف نے اس سے پہلے بھی شیر پر گولی چلانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بار بار رک گیا تھا کیونکہ عمران اور شیر ایک دوسرے سے اس انداز میں لپٹے ہوئے تھے کہ اسے خطرہ تھا کہ کہیں گولی عمران کو نہ لگ جائے۔ اب جیسے ہی شیر عمران سے دور

ہوا تو اس نے فائر کر دیا۔ گولی ٹھیک نشانے پر لگی اور شیر جو پہلے ہی عمران کے ہاتھوں کافی زخمی ہو چکا تھا ایک گولی سے ختم ہو گیا۔ جوزف، عمران کی طرف بھاگنے ہی لگا تھا کہ اچانک ٹھٹک کر رک گیا کیونکہ ایک رائفل کی نال اس کی پشت پر لگ چکی تھی۔

''چپ چاپ رائفل پھینک دو''...... اندھیرے میں اسے اپنی پشت سے ایک سرد آواز سنائی دی۔ اس نے ایک نظر دائیں بائیں دیکھا۔ تین انسانی سائے رائفلوں کا رخ اس کی طرف کئے کھڑے تھے۔ نجانے اچانک یہ کہاں سے آ ٹپکے تھے۔ جوزف نے رائفل پھینک دی۔

''بائیں طرف مڑ کر چلو''...... وہی سرد آواز دوبارہ گونجی اور جوزف ایک نظر بے ہوش عمران پر ڈال کر بائیں طرف مڑ گیا۔

تھوڑی دیر بعد عمران ہوش میں آ گیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں لیکن ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ایک لمحے تک وہ بے خیالی کی حالت میں رہا پھر اس کی نظروں کے سامنے پچھلا منظر گھوم گیا۔

دوسرے لمحے وہ مکمل طور پر ہوش میں آ چکا تھا۔ وہ پھرتی سے اٹھا لیکن لڑکھڑا گیا۔ اس کی دائیں ٹانگ میں شدید درد ہو رہا تھا لیکن وہ سنبھل گیا پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا شیر کی لاش کی طرف بڑھا۔ شیر کی لاش کے قریب وہ ایک لمحے کے لئے رکا۔ اس نے ہپ پاکٹ سے ایک پنسل ٹارچ نکالی اور ٹارچ کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ شیر کے جسم پر خنجر سے بائیس نشان تھے لیکن شیر کی

موت اس گولی کی وجہ سے ہوئی تھی جو اس کے دماغ میں گھس گئی
تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ کارنامہ جوزف کا ہوگا۔ جوزف کا خیال آتے
ہی اس نے حیرت سے چاروں طرف دیکھا لیکن جوزف اسے کہیں
نظر نہ آیا۔ اس نے دو تین آوازیں بھی دیں لیکن جوزف غائب
تھا۔ ادھر ادھر دیکھنے کے بعد اسے یقین ہو گیا کہ جوزف غائب ہو
چکا ہے۔ اس نے پھر ٹارچ کی مدد سے ادھر ادھر ان لاشوں کو تلاش
کیا جو جوزف اور اس کی گولیوں سے درختوں سے گرے تھے لیکن
وہاں کسی چیز کا کوئی نشان نہیں تھا، نہ ہی لاشیں تھیں اور نہ ہی کوئی
ہتھیار۔ ناچار وہ واپس اپنی جیپ کی طرف مڑا۔ اس کی رائفل بھی
غائب تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا رہا پھر تھوڑی دیر بعد وہ اپنی جیپ
تک پہنچ گیا۔ اس نے ایک نظر جیپ کے اندر ڈالی اور سٹیئرنگ
سنبھال لیا۔ جیپ مڑی اور پھر تیزی سے بھیانک جنگل میں بھاگنے
لگی۔

وہ مجہول صورت نوجوان جس نے نوشینہ کو اپنا نام مرزا اشفاق
احمد بتایا تھا، تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کلب کے مین گیٹ سے باہر نکل
آیا۔ اب اس کا رخ پارکنگ شیڈ کی طرف تھا۔ پارکنگ کے شیڈ
میں ایک موٹر سائیکل موجود تھا اس نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کیا اور
گولی کی رفتار سے اس کا موٹر سائیکل سڑک پر آ گیا۔ رات کا وقت
تھا۔ سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ موٹر سائیکل کی رفتار
بڑھاتا چلا گیا۔

اس کا رخ شہر کی وسطی آبادی کی تھا۔ یہ آبادی درمیانے درجے
کے مکانات پر مشتمل تھی۔ اچانک ایک موڑ مڑنے پر اسے تعاقب کا
احساس ہوا اس نے موٹر سائیکل کے بیک مرر میں اسپورٹ کار کا
ہیولا دیکھا۔ وہ کافی دیر سے اس کار کو اپنے پیچھے دیکھ رہا تھا لیکن
پہلے اس نے خیال نہیں کیا تھا لیکن اب اسے احساس ہوا کہ یہ کار

تعاقب میں ہے چنانچہ اس نے موٹر سائیکل تیزی سے ایک اور سڑک کی طرف موڑ دیا لیکن خلاف توقع کار سیدھی گزرتی چلی گئی۔ مرزا نے اطمینان کا سانس لیا اور پھر مختلف سڑکوں پر سے گھومتا ہوا وہ وحدت کالونی کے ایک مکان کے سامنے جا کر رک گیا۔ اس نے جیب سے چابیاں نکالیں اور تالا کھول کر دروازے کو دھکیلا اور پھر موٹر سائیکل کو بھی وہ مکان کے اندر لے گیا۔ اس نے موٹر سائیکل سٹینڈ کرنے کے بعد دروازہ بند کیا اور پھر مکان کا صحن پار کر کے اندر والے کمرے میں آیا۔

اس کمرے میں بھی معمولی ساز و سامان تھا۔ کمرے کے ایک طرف پلنگ بچھا ہوا تھا۔ پلنگ کے ساتھ ایک چھوٹی سی میز اور اس کے اردگرد تین کرسیاں تھیں۔ مرزا سیدھا سامنے والی الماری کی طرف بڑھا۔ اس نے الماری کھولی اور الماری میں رکھا ہوا سستا سا بے بی کیمرہ اٹھایا اور اسے لا کر میز پر رکھ دیا۔ پھر اس نے جیب سے کاغذ کی ایک گولی نکالی اسے کھول کر ایک دفعہ پھر پڑھنے لگا۔ اس پر چار ہندسوں کا ایک نمبر درج تھا۔

اس نے کیمرے کی پشت پر لگا ہوا بٹن دبایا۔ کیمرہ دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ ایک حصے میں تو کیمرے کے لینز وغیرہ فٹ تھے۔ دوسرا حصہ ویسے بند ہی تھا۔ اس نے کونے میں لگا ہوا ایک چھوٹا کلپ کھینچا تو وہ حصہ بھی کھل گیا۔ اس کے اندر انتہائی باریک لیکن نفیس ترین مشینری فٹ تھی۔

اس نے مشینری کا ایک چھوٹا سا لیور گھمانا شروع کر دیا اور پھر سامنے لگے ہوئے ایک چھوٹے سے ڈائل میں سوئی حرکت کرنے لگی۔ اس نے کاغذ پر لکھے ہوئے نمبر کو ایک بار پھر پڑھا اور پھر سوئی گھما کر اسی نمبر پر سیٹ کر دی۔ نمبر سیٹ کرنے کے بعد اس نے ساتھ لگے ہوئے ایک چھوٹے سے سرخ رنگ کے بٹن کو دبایا۔ مشین میں سے ہلکی ہلکی زوں زوں کی آوازیں آنے لگیں۔ ایک لمحے بعد زوں زوں کی آوازیں آنی بند ہو گئیں اس نے آہستہ سے منمناتی ہوئی آواز میں کہا۔

”شیطان اسپیکنگ“۔

”نمبر ٹو اسپیکنگ“...... دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔

”کوڈ“...... مرزا نے کہا۔

”دس کروڑ میں دو شیطان“...... دوسری طرف سے وہی آواز آئی۔

”او کے۔ نمبر ٹو مشن کی کیا پوزیشن ہے“...... مرزا نے کہا۔

”کام بڑی تیزی سے ہو رہا ہے باس“...... نمبر ٹو نے کہا۔

”پوائنٹ فورٹین مکمل ہو گیا ہے“...... مرزا نے کہا۔

”یس باس۔ آج وہ مکمل ہو گیا ہے“...... نمبر ٹو نے کہا۔

”کل میں معائنہ کے لئے آؤں گا۔ پوائنٹ زیرو پر مجھے ملنا۔ بارہ بجے کے بعد“...... مرزا نے کہا۔

”او کے سر۔ میں وہاں موجود رہوں گا“...... نمبر ٹو نے کہا۔

''او کے۔ اوور اینڈ آل''...... مرزا نے سرخ رنگ کا بٹن دباتے ہوئے کہا اور پھر اس نے دوبارہ کلپ کھینچا پھر اس نے کیمرے کے دونوں حصوں کو جوڑ کر رکھ دیا۔ اب وہ سستا سا کیمرہ تھا جسے دیکھ کر کوئی بھی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس سستے کیمرے میں جدید اور فون ٹائپ ٹرانسمیٹر فٹ ہو گا۔ کیمرے کو اٹھا کر اس نے دوبارہ الماری میں رکھ دیا اور پھر الماری سے ایک کتاب اٹھا کر کرسی پر آبیٹھا۔

ابھی اسے کتاب پڑھتے تھوڑی ہی دیر ہوئی ہو گی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ مرزا نے چونک کر کتاب میز پر رکھ دی۔ کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر ایک نظر ڈالی اور پھر اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ باہر ایک طویل القامت لیکن دبلا پتلا نوجوان کھڑا تھا۔

''آیئے مسٹر طالب''...... مرزا نے واپس مڑتے ہوئے کہا اور وہ نوجوان اندر داخل ہو گیا۔ اس نے مڑ کر دروازہ بند کیا اور پھر ایک دوسرے کے پیچھے کمرے میں آ گئے۔

''تشریف رکھیئے''...... مرزا نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور طالب کرسی پر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ ایک لمحے تک وہ بغور ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

''شیطان''...... طالب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''دس کروڑ میں دو شیطان''...... طالب کے چہرے پر اطمینان

جھلکنے لگا۔

''معاف کرنا مجھے شک گزرا تھا۔ اس لئے میں نے اطمینان ضروری سمجھا''...... طالب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے ہمیں اپنے سائے سے بھی ہوشیار رہنا چاہئے''۔ مرزا نے کہا۔

''مشن کہاں تک مکمل ہوا ہے''...... طالب نے مرزا سے پوچھا۔

''ابھی تو بیس فیصد مکمل ہوا ہے۔ پوائنٹ فورٹین تو آج مکمل ہو گیا ہے''...... مرزا نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کام خاصی تیز رفتاری سے ہو رہا ہے''...... طالب نے ہلکی سی مسکراہٹ سے کہا۔

''مسٹر طالب کیا آپ مجھ پر طنز کر رہے ہیں۔ یہ مت بھولئے کہ ہم دونوں ایک ہی جیسے اختیارات کے حامل ہیں اور ہم دونوں علیحدہ علیحدہ مشن پر کام کرنے کے لئے یہاں آئے ہیں''...... مرزا نے انتہائی خشک لہجے میں کہا۔

''اوہ۔ نو۔ مرزا آپ خوامخواہ غلط فہمی میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ میرا مقصد درحقیقت تعریف ہی تھا طنز نہیں''...... طالب نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تب ٹھیک ہے۔ میں سمجھا کہ آپ طنز کر رہے ہیں''...... مرزا نے بھی ہنسی میں شریک ہوتے ہوئے کہا۔

"آج ہوٹل میں جو لڑکی آپ کی میز پر آ کر بیٹھی تھی اسے میرے آدمیوں نے گرفتار کر لیا ہے"...... طالب نے کہا۔ یہ سن کر مرزا اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔

"نوشینہ کو آپ کے آدمیوں نے گرفتار کر لیا ہے۔ کیوں"۔ مرزا کا لہجہ واقعی حیرت سے بھرپور تھا۔

"وجہ یہ ہے کہ آپ جیسے ہی میز سے اٹھے۔ اس نے ایک مخصوص اشارہ کیا اور آپ کے پیچھے ہی ایک یورپین نژاد نوجوان بھی اٹھ کر ہال سے باہر نکل گیا۔ میں اپنے دو تین آدمیوں سمیت وہاں موجود تھا۔ اتفاق سے میری نظر نوشینہ کے اشارے پر پڑ گئی۔ میں نے مارٹن کو نوشینہ کی گرفتاری کے لئے کہا اور خود اٹھ کر ہال سے باہر نکل آیا تاکہ اس یورپین نژاد نوجوان کی حرکات کو چیک کروں۔ نوجوان نے کار کے ذریعے آپ کی موٹر سائیکل کا تعاقب کیا۔ میں بھی اپنی کار میں اس کے پیچھے تھا شاید اسے میرے تعاقب کا شک ہو گیا تھا اس لئے جیسے ہی آپ پرنسٹن چوک سے دائیں طرف مڑے وہ سیدھا چلا گیا۔ میں نے اس کا پیچھا کیا لیکن ایک گلی کے ذریعے وہ مجھے ڈاج دینے میں کامیاب ہو گیا"...... طالب نے پوری تفصیل سے مرزا کو آگاہ کیا۔

"یہ تو بہت بری خبر سنائی ہے تم نے لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ نوشینہ نے ایسی حرکت کیوں کی اور پھر وہ یورپین نژاد نوجوان کس پارٹی سے تعلق رکھتا ہے۔ کیا کوئی غیر ملکی پارٹی بھی ہمارے

مقابلے پر آ گئی ہے"...... مرزا کے چہرے پر الجھنیں ہی الجھنیں بکھری ہوئی تھیں۔

"میرے خیال میں آپ میرے ساتھ چلیں تاکہ آپ کے سامنے ہی نوشینہ سے یہ راز اگلوایا جائے"...... طالب نے تجویز پیش کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔ اب نوشینہ ہی اس معمہ کو حل کر سکتی ہے"...... مرزا نے اٹھتے ہوئے کہا اور طالب بھی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں کپڑے تبدیل کر آؤں"...... مرزا نے ایک اور کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا اور طالب دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد مرزا کمرے میں داخل ہوا تو اس کے جسم پر سوٹ تھا جو کافی قیمتی تھا۔ شیو بھی کی ہوئی تھی۔

"تم تو کار میں آئے ہو گے اسے کہاں پارک کیا ہے"...... مرزا نے طالب سے پوچھا۔

"میں نے اس کالونی میں کار لے کر آنا مناسب نہیں سمجھا اس لئے اسے ساتھ والے بازار میں کھڑا کر دیا تھا"...... طالب نے کمرے سے صحن میں آتے ہوئے کہا۔

"لیکن اب ہم کار میں نہیں جائیں گے۔ ٹیکسی کر لیں گے کیونکہ ہو سکتا ہے دوسری پارٹی تمہاری گاڑی پہچان چکی ہو اور اب اس کی نگرانی کر رہی ہو"...... مرزا نے مکان کے بیرونی دروازے کو

تالا لگاتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔ میں کسی کو بھیج کر کار منگوالوں گا"۔
طالب نے کہا اور پھر وہ دونوں پیدل بازار جانے والی سڑک پر
چلنے لگے۔

جوزف کو وہ تینوں لئے ہوئے جنگل کے انتہائی شمال کی طرف
بڑھتے گئے۔ کافی دور جا کر انہوں نے جوزف کو روک دیا۔

"اس کی آنکھوں پر پٹی باندھو"...... ان میں سے ایک نے جو
باقی دو کا لیڈر معلوم ہوتا تھا، حکم دیا اور ایک نے جیب سے سیاہ
رنگ کی پٹی نکال کر جوزف کی آنکھوں پر باندھ دی۔ رائفل کی نال
بدستور جوزف کی پشت سے لگی ہوئی تھی۔ اب دو آدمیوں نے اسے
بازوؤں سے پکڑ لیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جوزف کو سیڑھیاں اترنے کا
حکم دیا گیا تو جوزف حیران ہوا کہ جنگل میں سیڑھیاں کہاں سے آ
گئیں۔ بہرحال وہ سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔ پھر سپاٹ زمین آ گئی۔

"رک جاؤ"...... جوزف کو ایک بار پھر رکنے کا حکم ملا اور
جوزف رک گیا۔ اس کی آنکھوں سے پٹی اتاری گئی۔ وہاں تیز روشنی
تھی اس لئے جوزف کی آنکھیں جھپک گئیں۔ اندھیرے سے یکدم

روشنی میں آ جانے سے چند لمحے تک تو وہ آنکھیں پوری طرح کھول نہ سکا پھر جب اس کی آنکھیں روشنی سے مانوس ہو گئیں تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں ہے۔ اس کے سامنے ایک نقاب پوش موجود تھا۔

اس کے اردگرد وہی تین آدمی ہاتھوں میں رائفلیں لئے کھڑے تھے۔ ان تینوں کے چہرے بھی نقابوں میں چھپے ہوئے تھے۔

''یہ ہے کون اور اسے یہاں کس لئے لائے ہو''...... نقاب پوش نے غراہٹ آمیز لہجے میں کہا۔

''باس۔ یہ دو نئے شکاری تھوڑی دیر پہلے ڈینجر زون میں داخل ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک پر شیر نے حملہ کر دیا۔ وہ مارا گیا دوسرا یہ چھپ گیا تھا''...... ان نقاب پوشوں میں سے ایک نے انتہائی مؤدبانہ انداز میں کہا۔

''ڈینجر زون میں شکار اور اس وقت''...... باس نے انتہائی حیرت سے کہا۔

''یہی تو عجیب بات ہے باس''...... نقاب پوش نے کہا۔

''کیا ان پر بائیپر مشین نہیں آزمائی گئی تھی''...... باس نے پوچھا۔

''بائیپر مشین سے ان پر پانچ وار کئے گئے تھے لیکن یہ دونوں انتہا سے زیادہ پھرتیلے نکلے۔ بائیپر مشین ان کا کچھ نہ بگاڑ سکی الٹا ہمارے دو آدمی انہوں نے مار گرائے''...... نقاب پوش نے جواب

دیا۔

''اوہ۔ تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ شکاری نہیں بلکہ کچھ اور ہیں''...... باس نے غراہٹ بھرے لہجے میں کہا۔

''جی ہاں باس۔ اس لئے میں نے اسے زندہ گرفتار کر کے لے آنا مناسب سمجھا تاکہ آپ اس سے معلومات حاصل کر سکیں''۔ نقاب پوش نے کہا۔

''اچھا کیا تم نے''...... باس نے تحسین آمیز انداز میں کہا۔

جوزف خاموشی سے کھڑا ان کی گفتگو سن رہا تھا۔

''کون ہو تم''...... باس نے کڑکتے ہوئے جوزف سے پوچھا۔

''جوزف دی گریٹ''...... جوزف نے فخریہ انداز میں کہا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے آغا حشر کے ڈرامے میں کام کر رہا ہو۔

''شٹ اپ یو نانسنس۔ اسے سامنے والے ستون سے باندھ دو''...... باس نے نقاب پوشوں کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

جوزف نے سوچا اب وقت آ گیا ہے کہ یہاں سے فرار ہو جانا چاہئے کیونکہ اب تک وہ اس لئے خاموشی سے چپ چاپ نقاب پوشوں کے ساتھ چلا آیا تھا کہ وہ کہیں بے ہوش عمران کو گرفتار نہ کر لیں۔ اس کی طرف سے توجہ ہٹانے کے لئے اس نے خاموشی اختیار کی تھی۔ ایک نقاب پوش نے رائفل سے اسے ستون کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ جوزف کمرے کے درمیان چلتے ہوئے ایک مضبوط ستون کی طرف بڑھ گیا۔ باس اتنے میں ایک الماری

سے چمڑے کا کوڑا نکال چکا تھا۔ جوزف نے اچانک چلتے چلتے باس
کے کوڑے پر ہاتھ ڈال دیا۔ دوسرے لمحے کوڑا اس کے ہاتھ میں
تھا۔ اس سے پہلے کہ کوئی سنبھلتا، جوزف نے تیزی سے کوڑا لہرایا اور
وہ شڑاپ کی آواز سے برین گن والے نقاب پوش کے ہاتھ پر لگا۔
اس کے ہاتھ سے برین گن چھوٹ کر دور جا گری۔ دوسرے نقاب
پوش نے ٹریگر دبا دیا۔ گولی چلی، اتنی دیر میں جوزف وہاں سے ہٹ
چکا تھا۔ گولی جوزف کے دائیں طرف کھڑے ہوئے ایک نقاب
پوش کے سینے میں لگی اور وہ ایک کربناک چیخ مارتے ہوئے زمین
پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر تو کمرے میں بھونچال آ گیا۔ جوزف انتہائی
تیزی سے کوڑا گھما رہا تھا اور کمرہ نقاب پوشوں کی چیخوں سے گونج
اٹھا۔ وہ انہیں اتنی مہلت نہیں دینا چاہتا تھا کہ وہ کمرے سے باہر
نکل سکیں۔ ویسے کمرے میں چاروں طرف فوم کی چادریں فٹ تھیں
اسی لئے یہ کمرہ ساؤنڈ پروف بھی تھا۔ نتیجتاً نقاب پوشوں کی چیخیں
باہر جا ہی نہ سکیں۔ تھوڑی دیر بعد نقاب پوش فرش پر ڈھیر ہو چکے
تھے۔ جوزف اسی طرح وحشت سے ان پر کوڑے برسا رہا تھا۔ اس
کا ہاتھ بجلی کی سی تیزی سے گھوم رہا تھا۔ شڑاپ شڑاپ کی آوازوں
اور نقاب پوشوں کی کربناک چیخوں سے پورا ماحول انتہائی خوفناک
اور بھیانک ہو گیا تھا۔

چند ہی لمحوں بعد تینوں نقاب پوش بے حس ہو گئے۔ وہ بے
ہوش ہو چکے تھے۔ جوزف نے ہاتھ روک لیا۔ وہ بری طرح ہانپ

رہا تھا۔ چند لمحے تک وہ لمبے لمبے سانس لیتا رہا پھر اس نے زخموں
سے پُر نقاب پوشوں کے چہروں سے نقاب کھینچ لئے۔ وہ سب
مقامی معلوم ہوتے تھے۔ اب جوزف کے سامنے مسئلہ وہاں سے
نکلنے کا تھا۔ کمرے میں کہیں دروازہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس لئے چند
لمحے تک وہ حیرت سے ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر اچانک اس کی نظر
کونے میں ایک چھوٹی سی میز پر پڑی جس کی سائیڈ میں دو مختلف
رنگوں کے بٹن لگے ہوئے تھے۔ جوزف نے ایک نقاب اپنے
چہرے پر باندھ لیا اور پھر سبز رنگ کا بٹن دبا دیا۔

سارے کمرے میں موجود فوم کی چادریں غائب ہو گئیں۔ اب
کونے میں ایک دروازہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے دوسرا بٹن دبا دیا تو
دروازہ خود بخود کھل گیا۔ جوزف نے زمین پر پڑی ہوئی ایک برین
گن اٹھائی اور دروازے سے باہر نکل آیا۔ یہ ایک لمبی سی گیلری تھی
جو اب سنسان پڑی ہوئی تھی۔ وہ خاموشی سے دائیں سائیڈ پر چلنے
لگا۔ اچانک اسے آہٹ سی محسوس ہوئی۔ جوزف پھرتی سے ایک
ستون کے پیچھے چھپ گیا۔ ایک نقاب پوش تھا جو سامنے سے چلا آ
رہا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس طرف آ رہا تھا جدھر جوزف
چھپا ہوا تھا۔ جیسے ہی وہ جوزف کے قریب سے گزرنے لگا، اچانک
جوزف نے اس کے سینے پر برین گن کی نالی رکھ دی۔ وہ نقاب
پوش ٹھٹک کر رک گیا۔

''واپس مڑو''...... جوزف نے غراہٹ آمیز لہجے میں کہا۔

''لیکن میرا قصور''...... نقاب پوش نے نہ جانے جوزف کو کیا سمجھتے ہوئے خوفزدہ انداز میں پوچھا۔

''تم اندر کیوں داخل ہوئے تھے''...... جوزف نے غصے سے بھرپور آواز میں سوال کیا۔

''لیکن میں تو ڈیوٹی ختم کر کے آ رہا ہوں''...... آنے والے نقاب پوش کی آواز میں حیرت تھی۔

''نہیں۔ واپس جنگل میں چلو''...... جوزف نے رائفل کی نال کو جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔

''مگ۔مگ۔ مگر''...... نقاب پوش واقعی حیران تھا کہ یہ آخر مسئلہ کیا ہے۔

''چلو''...... جوزف نے اور زیادہ غصہ ظاہر کرتے ہوئے کہا اور نقاب پوش کندھے جھٹکتا ہوا واپس مڑ گیا۔

یہ ایک خاصا وسیع ہال تھا۔ ہال کے درمیان میں ایک کرسی پر نوشینہ بندھی ہوئی بیٹھی تھی۔ اس کا شوخ اسکرٹ جگہ جگہ سے پھٹ گیا تھا۔ اس کا چہرہ خوف اور دہشت کی زیادتی کی وجہ سے بگڑ گیا تھا۔ سرخ و سفید رنگ گہری زردی میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اس کے بائیں سائیڈ پر مارٹن کھڑا تھا اور ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے مکڑی اپنے جالے میں پھنسی ہوئی مکھی کو دیکھتی ہے۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ مارٹن چونکا اور پھر اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے دو نقاب پوش موجود تھے۔ دونوں کے نقاب انتہائی گہرے سرخ رنگ کے تھے۔

''شیطان''...... ان میں سے ایک نے مارٹن سے مخاطب ہو کر انتہائی سرد آواز میں کہا۔

''دس کروڑ میں دو شیطان''...... مارٹن نے مؤدبانہ طور پر جھکتے

ہوئے کہا اور پھر وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ نوشینہ کی نظر جیسے ہی ان دونوں پر پڑی وہ خوف سے چیخنے لگی۔

"میں بے گناہ ہوں، میں نے کوئی غلطی نہیں کی"...... نوشینہ نے کہا۔

"بکواس بند کرو لڑکی۔ تم نے غداری کی ہے"...... ان میں سے ایک نے منمناتی ہوئی لیکن انتہائی سرد آواز میں کہا۔ یہ یقیناً مرزا کی آواز تھی۔

"نہیں باس۔ آپ کو غلط اطلاع دی گئی ہے"...... نوشینہ کی آواز خوف سے لرز رہی تھی۔

"مت بھول اے لڑکی۔ میرا نام شیطان ہے اور شیطان کو کوئی دھوکا نہیں دے سکتا"...... مرزا نے روح میں اتر جانے والی غراہٹ سے کہا۔

نوشینہ خوف کے مارے بے اختیار رونے لگی۔

"اپنے آنسوؤں کو روک لو۔ شیطانوں پر یہ حربے کارگر نہیں ہوتے اور جواب دو کہ ہوٹل تھری کراس میں جہاں تم نے ہمارے کارندے کو خفیہ پیغام پہنچایا تھا اور جب وہ جانے لگا تو تم نے جس یورپین نژاد نوجوان کو مخصوص اشارہ کیا تھا۔ وہ کون تھا"۔ مرزا نے انتہائی سخت لہجے میں کہا۔

"میں نہیں جانتی باس۔ میں نے کسی کو اشارہ نہیں کیا۔ خدا شاہد ہے"...... نوشینہ نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"خدا کا نام ہمارے سامنے مت لو۔ شیطانوں کے سامنے خدا کی قسم کھانا بے کار ہے۔ سچ سچ بتا دو ورنہ شیطان کسی پر رحم نہیں کیا کرتے"۔ دوسرے شیطان طالب نے خوفناک آواز میں کہا۔

نوشینہ نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ وہ بے اختیار آنسو بہانے لگی۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ شیطان اس کی کسی بات کو تسلیم نہیں کریں گے۔

"مارٹن"...... اچانک طالب چیخا۔

"یس باس"...... مارٹن نے ایک دم اٹنشن ہوتے ہوئے کہا۔

"اپنا چاقو نکالو اور اس لڑکی کا دایاں کان کاٹ دو"...... طالب نے حکم دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ نہیں۔ مجھ پر رحم کرو۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میں نے کسی کو کوئی اشارہ نہیں کیا تھا"...... نوشینہ خوف سے چیخ اٹھی لیکن مارٹن نے پھرتی سے جیب سے ایک بڑا سا چاقو نکالا پھر کمرے میں چاقو کھلنے کی آواز ابھری دوسرے لمحے مارٹن چاقو لئے ہوئے آہستہ آہستہ نوشینہ کی طرف بڑھنے لگا۔

"نہیں۔ نہیں۔ میں نے کوئی غلطی نہیں کی ہے۔ میں بے گناہ ہوں"...... نوشینہ چاقو کو اپنی نظروں کے سامنے دیکھ کر چیخنے لگی پھر دوسرے لمحے ہال نوشینہ کی طویل اور دردناک چیخ سے گونج اٹھا۔ مارٹن نے انتہائی بے رحمی سے چاقو کے ایک ہی وار سے اس کا دایاں کان کاٹ دیا تھا۔ اس کے کٹے ہوئے کان سے سرخ سرخ

خون تیزی سے بہنے لگا۔ نوشینہ کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ وہ خوف اور تکلیف کی شدت سے بے ہوش ہو چکی تھی۔

''اسے ہوش میں لاؤ''...... مرزا کی جذبات سے عاری آواز گونجی اور مارٹن نے ایک بھرپور تھپڑ نوشینہ کے گال پر جما دیا۔ نوشینہ ایک جھٹکے سے ہوش میں آ گئی۔ اس کی آنکھیں خوف سے ابل رہی تھیں۔ وہ ایک لمحے تک اپنے سامنے کھڑے دونوں شیطانوں کو دیکھتی رہی پھر اس نے دونوں کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔

''ناک کاٹ ڈالو''...... مرزا نے مارٹن کو دوسرا حکم دیا۔

''کاٹ دو میرا سارا جسم کاٹ دو۔ تم واقعی شیطان ہو''۔ نوشینہ چیخنے لگی۔ دوسرے لمحے مارٹن نے چاقو کے دو تین واروں سے نوشینہ کی ناک کاٹ ڈالی۔ نوشینہ ایک بار پھر بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس کا خوبصورت چہرہ انتہائی بھیانک اور خوفناک معلوم ہوتا تھا۔

''ہوش میں لے آؤ''...... طالب نے کڑکتے ہوئے کہا اور مارٹن نے ایک بار پھر نوشینہ کے رخساروں پر تھپڑ برسانے شروع کر دیئے۔ چار پانچ تھپڑوں کے بعد نوشینہ ایک بار پھر ہوش میں آ گئی لیکن اب وہ بری طرح چیخ رہی تھی۔

''بتاؤ لڑکی۔ وہ کون تھا جس کو تم نے اشارہ کیا تھا ورنہ اب آنکھیں نکلوا دوں گا''...... مرزا نے انتہائی بے رحم آواز میں کہا اور مارٹن نے چاقو کی نوک نوشینہ کی خوبصورت آنکھوں کی طرف بڑھائی۔

''بتاتی ہوں۔ بتاتی ہوں۔ تمہیں ان شیطانوں کا واسطہ۔ رک جاؤ۔ پانی، پانی''......نوشینہ نے چیختے ہوئے کہا۔

''مارٹن۔ رک جاؤ اور اسے پانی دو''...... طالب نے مارٹن کو حکم دیتے ہوئے کہا۔ مارٹن رک گیا۔ اس نے چاقو بائیں ہاتھ میں پکڑا اور ہال کے کونے کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں اس نے ایک صراحی سے گلاس میں پانی بھرا اور لا کر نوشینہ کے منہ سے لگا دیا۔

''میرے ہاتھ کھول دو۔ میں ہونٹوں سے خون پونچھنا چاہتی ہوں''۔ نوشینہ نے جس کے چہرے پر خون ہی خون پھیلا ہوا تھا، انتہائی التجائیہ انداز میں کہا۔

''اس کے ہاتھ کھول دو''...... مرزا نے مارٹن کو حکم دیا۔

مارٹن نے پانی کا گلاس نیچے رکھا اور پھر چاقو کی مدد سے اس کے دونوں ہاتھوں کی رسیاں کاٹ دیں۔ نوشینہ کے ہاتھ جیسے ہی آزاد ہوئے اس نے منہ پر سے خون پونچھا لیکن خون متواتر بہہ رہا تھا۔

مارٹن نے پانی کا گلاس اس کے خون آلود ہاتھوں میں پکڑا دیا۔ نوشینہ نے ایک لمحے کے لئے گلاس کی طرف دیکھا پھر اس نے گلاس کو بائیں ہاتھ میں پکڑا اور پھر اس کا دایاں ہاتھ تیزی سے اس کے منہ کی طرف بڑھا۔ مارٹن نے سمجھا کہ وہ خون پونچھنا چاہتی ہے لیکن نوشینہ کی انگلی میں موجود ایک انگوٹھی کا ڈھکن کھلا اور اس میں

موجود سفوف اس کے حلق میں چلا گیا۔ دوسرے لمحے نوشینہ گلاس سے منہ لگا چکی تھی۔ مارٹن نے نوشینہ کی یہ حرکت دیکھ لی تھی اس نے پھرتی سے گلاس اس کے ہاتھوں سے چھین لیا لیکن وہ گلاس خالی کر چکی تھی۔

''ہا ہا ہا''...... میں نے زہر کھالیا ہے شیطانوں۔ اب تم مجھ سے کچھ معلوم نہیں کر سکتے''...... نوشینہ نے قہقہہ مارتے ہوئے کہا اور دوسرے لمحے اس کا سر ڈھلک گیا۔

مارٹن نے آگے بڑھ اس کا سر سیدھا کیا۔ لیکن وہ ان شیطانوں کی دسترس سے دور جا چکی تھی۔

''اُف۔ یہ برا ہوا، اس لڑکی کو مرنا نہیں چاہئے تھا۔ اب میں پھر تاریکی میں چلا گیا ہوں''...... مرزا نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''ہاں لیکن ہمیں خیال بھی نہیں تھا کہ یہ اس طرح خودکشی کر لے گی''...... طالب کے لہجے میں افسوس کا عنصر موجود تھا۔

''مارٹن اس کی لاش ٹھکانے لگا دو''...... طالب نے مارٹن سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''او کے باس''...... مارٹن نے جھکتے ہوئے مئودبانہ انداز میں کہا۔ اور پھر وہ دونوں شیطان واپس مڑے اور دروازے سے باہر نکل گئے۔

عمران جیپ دوڑاتا ہوا سیدھا بہزاد محل پہنچا۔ اس نے جیپ پورچ میں روکی اور خود اتر کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے سارے جسم میں درد ہو رہا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ محل کے سارے مکین سوئے ہوئے تھے اس لئے عمران کی حالت کسی پر ظاہر نہ ہو سکی۔ کمرے میں پہنچنے کے بعد وہ سیدھا اپنے اٹیچی کیس کی طرف بڑھا۔ اس نے اٹیچی کیس کھولا اور اس میں سے ایک جیبی ٹرانسمیٹر نکال کر اس کا بٹن آن کر دیا۔ کمرے کا دروازہ اس نے اچھی طرح بند کر دیا تھا۔ بٹن دبنے کے چند لمحے بعد ہی رابطہ قائم ہو گیا۔

''ہیلو بلیک زیرو۔ عمران سپیکنگ اوور''...... عمران نے کہا۔

''یس سر۔ بلیک زیرو سپیکنگ دس سائیڈ اوور''...... دوسری طرف سے بلیک زیرو کی آواز ابھری۔

"تم ابھی تک جاگ رہے ہو ورنہ میرا خیال تو یہ تھا شاید کافی دیر بعد رابطہ قائم ہو۔ اوور"...... عمران نے پوچھا۔

"میں جاگ رہا تھا عمران صاحب۔ میں بین الاقوامی مجرموں کی فائل کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اوور"...... بلیک زیرو نے جاگنے کی وجہ بتاتے ہوئے کہا۔

"کیوں خیریت تو ہے۔ خود اپنا فوٹو اس فائل میں لگوانے کا ارادہ تو نہیں۔ اوور"...... عمران نے پوچھا۔

"نہیں صاحب خدا معاف رکھے میرا فوٹو اس میں لگا اور آپ نے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالیں۔ اوور"...... طاہر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا طاہر تمہاری مرضی ورنہ میں نے تو تمہیں آفر دے دی ہے۔ اوور"...... عمران نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔

"ایک شرط پر ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ کا فوٹو بھی میرے ساتھ لگے۔ اوور"...... طاہر نے تجویز پیش کی۔

"یہ تو کوئی بڑی بات نہیں۔ اخباروں میں مجرموں کے ساتھ پولیس والوں کے فوٹو چھپتے ہی رہتے ہیں۔ اوور"...... عمران نے کہا۔

"اس لحاظ سے نہیں بلکہ استاد شاگرد کے لحاظ سے فوٹو لگیں تب تو بات بنے گی۔ اوور"...... طاہر نے جواب دیا۔

"اچھا طاہر۔ مذاق ایک طرف رہا۔ اب میں جو کچھ کہوں اسے

غور سے سنو۔ تمہیں علم ہے اس وقت میں ریاست پریم نگر میں موجود ہوں۔ میرا خیال تھا کہ کوئی چھوٹا موٹا کیس ہو گا لیکن یہاں تو معاملہ کافی اونچا جاتا ہوا معلوم ہوتا ہے اس لئے تم کل صبح صفدر، کیپٹن شکیل، تنویر اور جولیا کو ریاست پریم نگر بھجوا دو۔ وہ یہاں میک اپ میں آئیں گے اور ہوٹل سن ریز میں ٹھہریں گے۔ میں انہیں یہاں کنٹیکٹ کر لوں گا۔ پارٹی لیڈر کے لحاظ سے انہیں میرے احکام کی تعمیل کا حکم ضرور دے دینا۔ اوور"...... عمران نے تفصیل سے ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

"بہت بہتر سر۔ میں کل صبح ممبرز کو پہلی فلائٹ پر بھجوا دوں گا۔ اوور"۔ بلیک زیرو نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"او کے۔ اوور اینڈ آل"...... عمران نے کہا اور پھر ٹرانسمیٹر کا بٹن آف کر دیا۔

ٹرانسمیٹر واپس بیگ میں رکھ کر اس نے کپڑے اتارے اور سلیپنگ سوٹ پہن لیا۔ اس نے بیگ میں سے پین کلر کی دو گولیاں نکال کر پانی سے کھالیں جس سے درد میں فرق پڑ گیا اور وہ بیڈ پر لیٹ گیا۔ اب اسے جوزف کی فکر تھی لیکن اسے یقین تھا کہ جنگل میں جوزف کی صلاحیتیں کچھ اور زیادہ بڑھ جاتی ہیں اس لئے وہ مجرموں کے ہاتھوں سے بچ جانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس کا خیال تھا کہ صبح وہ جنگل میں اس جگہ جا کر نشانات تلاش کرے گا چنانچہ وہ سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اسے سوئے ہوئے تھوڑی ہی

دیر ہوئی تھی کہ اس کے کمرے کا روشندان ہلکی سی آواز سے کھلا اور ایک ریوالور بردار ہاتھ روشندان سے اندر داخل ہوا۔ ریوالور کی نال پر سائیلنسر چڑھا ہوا تھا۔ نالی کا رخ عمران کے سینے کی طرف ہوا۔ ٹریگر دبا اور ایک ہلکا سا دھماکا ہوا۔ اسی لمحے بے اختیارانہ عمران نے کروٹ لی۔ گولی عمران کے جسم کے قریب سے گزرتی ہوئی بستر میں دھنس گئی۔ اس سے پہلے کہ دوسری گولی چلتی، عمران بجلی کی سی تیزی سے نیچے فرش پر گر پڑا۔ ہاتھ واپس چلا گیا۔ عمران نے ریوالور کی جھلک روشندان میں دیکھ لی تھی کیونکہ بلیو لائٹ سے کمرے میں ہلکی سی روشنی ہو رہی تھی۔ عمران نے پھرتی دکھائی، جھٹکے سے اس نے چٹخنی کھولی اور کمرے سے نکل کر گیلری میں بھاگنے لگا۔ گیلری کے اختتام پر ہی سیڑھیاں تھیں۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔ جلد ہی اس گیلری تک پہنچ گیا۔ گیلری سے سیڑھیاں چھت پر جا رہی تھیں۔ وہ تیزی سے چھت کی طرف بڑھا۔ چھت کے دوسرے سرے پر اسے ایک ہک دیوار کے ساتھ لٹکا ہوا نظر آیا۔ وہ پھرتی سے اس کی طرف بڑھا۔ ہک کے ساتھ نیچے تک رسی لگی ہوئی تھی اسی لمحے اس نے دیکھا کہ ایک سایہ سا پائیں باغ کی دیوار کود گیا۔ وہ جلدی میں اپنے ساتھ ریوالور نہیں لایا تھا اس لئے وہ سائے پر فائر نہ کر سکا۔ اس کے بھاگنے کے شور سے محل کے مکین بھی ہڑبڑا کر جاگ پڑے تھے۔ چوکیداروں کے شور کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ شاید وہ بھی الرٹ ہو گئے تھے۔ عمران نے اطمینان

سے ہاتھ جھاڑے اور پھر اس طرح سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آیا جیسے چھت پر چاندنی رات کا نظارہ کرنے گیا ہو۔ برآمدے میں نواب صاحب بمعہ اپنی بیٹیوں اور بھانجیوں کے کھڑے نظر آئے۔ ان سب کے چہرے فق تھے۔ عمران کو دیکھتے ہی وہ اس طرف لپکے۔

”کیا بات ہوئی تھی۔ یہ شور کیسا تھا۔ تم کہاں گئے تھے“۔ بدحواسی کی وجہ سے نواب صاحب کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

”کچھ نہیں، ذرا چھت پر گیا تھا۔ چاندنی رات کا نظارہ کرنے“..... عمران نے لاپرواہی سے کہا۔

”چاندنی رات کا نظارہ“......لڑکیاں ہکا بکا رہ گئیں۔

”ہاں۔ دراصل جب تک میں رات کو چاندنی کا نظارہ نہ کر لوں۔ مجھے نیند نہیں آتی“......عمران نے بھولی صورت بناتے ہوئے کہا۔

”لاحول ولا قوۃ اللہ با اللہ“......نواب صاحب نے زچ ہو کر کہا۔

”اوہ۔ کہاں ہے۔ پکڑنا۔ جانے نہ پائے“...... عمران نے برآمدے میں ہی چاروں طرف چکرانا شروع کر دیا۔

”کک۔ کک۔ کون۔ کسے پکڑنا ہے“...... نواب صاحب بھی بدحواسی میں چکرا گئے۔ لڑکیاں بھی عمران کو اس طرح چکراتے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

"ہی ہی ہی۔ جس کے لئے آپ لا حول پڑھ رہے تھے"...... عمران نے کہا۔

"کس کے لئے پڑھ رہا تھا"...... نواب صاحب نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"ارے وہی شیطان اور کون"...... عمران نے وضاحت کر دی۔

"تم سے بڑا شیطان بھی کوئی ہو سکتا تھا"...... نواب صاحب نے اس کا مطلب سمجھتے ہوئے قدرے جھینپ کر کہا۔

"جی ہاں۔ آپ مجھ سے تو بہرحال بڑے ہی ہیں"...... عمران نے چوٹ کی اور نواب صاحب کچھ اور جھینپ گئے۔

"بدتمیز"...... نواب صاحب نے قدرے سختی سے کہا کیونکہ انہیں پاس کھڑی لڑکیوں کا خیال آ گیا۔

"یہ کس کا نام ہے آپ کا ہے"...... عمران نے ماہ رخ کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا اور ماہ رخ جھینپ گئی۔ باقی لڑکیوں کے حلق سے بے اختیار قہقہے چھوٹ پڑے۔ نواب صاحب مسکرا دیئے۔

اتنے میں دور سے شور سا اٹھا اور سب چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد چوکیدار ایک نقاب پوش کو پکڑے ادھر لے آئے۔ نواب صاحب کو برآمدے میں کھڑے دیکھ کر وہ ادب سے جھک گئے۔

"کون ہے یہ"...... نواب صاحب نے گرجتے ہوئے کہا۔

"معلوم نہیں حضور۔ محل کی مشرقی دیوار سے باہر کود رہا تھا کہ ہم نے پکڑ لیا"...... ایک چوکیدار نے انتہائی مؤدبانہ انداز میں جواب دیا۔

"اس کا نقاب اتارو"...... نواب صاحب نے حکم دیا اور ایک چوکیدار نے پھرتی سے اس کے چہرے سے نقاب اچٹ لیا۔

"اوہ تم"...... نواب صاحب چونک پڑے۔ عمران حیرت سے اس نوجوان کو دیکھ رہا تھا جو سر جھکائے کھڑا تھا۔

"کون ہے یہ"...... عمران نے حیرت سے پوچھا۔

"میرا پرائیویٹ سیکرٹری افضل"...... نواب صاحب نے ناگواری سے جواب دیا۔ شاید افضل کو اس روپ میں دیکھ کر ان کا موڈ بگڑ گیا تھا۔

"اسے میرے کمرے میں لے آؤ"...... عمران نے چوکیداروں کو حکم دیا اور چوکیداروں نے سوالیہ نظروں سے نواب صاحب کی طرف دیکھا۔

"حکم کی تعمیل کرو"...... نواب صاحب گرجے اور چوکیداروں نے سر جھکا دیا۔ وہ افضل کو لئے ہوئے عمران کے کمرے کی طرف چل دیئے۔ افضل کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ اسے ایک کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ عمران اور نواب صاحب کے علاوہ باقی سب لوگوں کو کمرے سے نکال دیا گیا۔ عمران نے دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی لگا دی۔ نواب صاحب سامنے صوفے پر بیٹھے کینہ پرور

نظروں سے افضل کو دیکھ رہے تھے جو سر جھکائے بیٹھا تھا۔ عمران بھی صوفے پر نواب صاحب کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک لمحہ دلچسپ نظروں سے افضل کو دیکھا اور پھر نواب صاحب سے مخاطب ہو گیا۔

"یہ کب سے آپ کے پاس ملازم ہے"۔ عمران نے پوچھا۔

"پچھلے پندرہ سالوں سے"...... نواب صاحب نے بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

"اوہ۔ بڑا لمبا عرصہ ہے"...... عمران نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔ اسی لئے تو مجھے اس بددیانت پر اور بھی زیادہ غصہ آ رہا ہے۔ میں کسی قیمت پر اس پر شک نہیں کر سکتا تھا اور یہی مار آستین نکلا"۔ نواب صاحب فقرہ مکمل کر کے دانت پیسنے لگے۔ ان کا چہرہ غصے کے مارے سرخ ہو رہا تھا۔ ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ افضل کو توپ دم کرا دیں۔

"افضل صاحب۔ آپ کو ماؤتھ آرگن بجانا آتا ہے"...... عمران نے اچانک افضل سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا اور افضل جو سر جھکائے بیٹھا تھا اس سوال پر اس نے تیزی سے سر اٹھایا جیسے اسے بجلی کا کرنٹ لگا ہو۔ اس نے بھرپور اور گہری نظروں سے عمران کی آنکھوں میں دیکھا پھر اس کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی اور اس نے سر جھکا لیا۔ نواب صاحب بھی حیرت سے آنکھیں پھاڑے بیٹھے تھے۔

"یار۔ تم تو یوں سر جھکائے بیٹھے ہو جیسے دلہن بارات کی انتظار میں بیٹھی ہو"...... عمران نے کہا۔ افضل نے سر پھر بھی نہیں اٹھایا۔

"ارے یار واقعی میں ہی غلطی پر تھا۔ تم دلہن کیسے ہو سکتے ہو۔ توبہ۔ توبہ۔ اتنی فاش غلطی۔ کیوں نواب صاحب"...... اس نے اچانک نواب صاحب کی طرف مڑ کر سوال داغ دیا۔

افضل اب حیرت سے عمران کو دیکھ رہا تھا جیسے وہ عمران کی شخصیت کو سمجھ نہ پا رہا ہو۔

"سیدھی طرح بتاؤ کہ تم کیوں مجھے قتل کرنا چاہتے تھے"۔ اچانک عمران بے پناہ سنجیدگی سے بولا۔

اس کے چہرے سے حماقت یوں غائب ہو گئی جیسے کسی نے نقاب اتار کر پھینک دیا ہو۔ چہرے پر پوری سنجیدگی آ گئی تھی۔ افضل یہ سنجیدگی دیکھ کر نروس ہو گیا۔

"مم۔ مم۔ میں کچھ نہیں جانتا"...... افضل نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"افضل"...... عمران سانپ کی طرح پھنکارا اور افضل نے یوں جھٹکا کھایا جیسے اسے کسی نے کوڑا مار دیا ہو۔ اس نے ایک لمحہ عمران کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر اس نے بولنا شروع کر دیا جیسے وہ خود الفاظ منہ سے نہ نکال رہا ہو بلکہ الفاظ خود اس کے منہ سے نکل رہے ہوں۔

"مم۔ مم۔ بتاتا ہوں۔ بتاتا ہوں۔ میں پچھلے سال سے ان کے

لئے کام کر رہا ہوں۔ مم۔ مم۔ میں مجبور تھا۔ مجھے وہ بلیک میل کرتے تھے''...... افضل نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''کن کے لئے کام کر رہے ہو''...... عمران کی آواز میں تلوار جیسی کاٹ تھی۔

''دس کروڑ میں دو شیطان کے لئے''...... افضل نے اٹکتے ہوئے کہا۔

''کیا''...... عمران بے اختیار چونک پڑا۔ نواب صاحب تو خیر شروع سے ہی حیرت کے شدید جھٹکوں کی زد میں تھے لیکن اس بار عمران بھی واقعی حیرت زدہ رہ گیا۔

''دس کروڑ میں دو شیطان''...... عمران نے حیرت سے دہرایا۔

''جی ہاں۔ یہ ان کے گروہ کا مخصوص نام ہے اور یہی ان کا کوڈ ہے''...... افضل سب کچھ بتائے جا رہا تھا۔

''خوب واقعی بہترین نام ہے۔ بڑے زندہ دل معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ دو شیطان کون کون سے ہیں''...... عمران نے باتوں ہی باتوں میں اچانک پوچھا۔

''یہ تو مجھے معلوم نہیں''...... افضل نے جواب دیا۔

''کیوں معلوم نہیں، کیا وہ تمہیں اپنے سامنے بیٹھے ہوئے نظر نہیں آتے''...... عمران نے ڈانٹتے ہوئے کہا اور پھر وہ نواب صاحب کی طرف دیکھ کر گھبرا گیا جو ایک لمحے تو بات سمجھے نہیں تھے اور جب سمجھے تو ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ نواب صاحب

نے شاید ایسی گستاخیاں زندگی میں کبھی نہیں سنی ہوں گی اور پھر بھلا مجال بھی کس کی تھی نواب صاحب کے سامنے کوئی اونچا بول جائے۔ گستاخی تو ایک طرف رہی لیکن یہ عمران جب سے آیا تھا برابر ان پر چوٹیں کر رہا تھا۔

''عمران''...... نواب صاحب غصے سے دہاڑے۔

''شیطان نمبر دو کہیئے جناب۔ عمران نہ کہیئے''...... عمران نے انہیں تقریباً پچکارتے ہوئے کہا۔ وہ ایک لمحے تک انتہائی سرخ آنکھوں سے عمران کو گھورتے رہے پھر ان پر بے بسی کی جھنجھلاہٹ سی چھا گئی اور کوئی چارہ کار نہ دیکھتے ہوئے وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھے اور خاموشی سے دروازے کی چٹخنی کھول کر باہر نکل گئے۔

''خس کم جہاں پاک''...... عمران نے اٹھ کر دروازے کو دوبارہ بند کرتے ہوئے کہا۔ افضل خاموشی سے عمران کی حرکات دیکھ رہا تھا۔

عمران دوبارہ صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اطمینان کی ایک طویل سانس لی کیونکہ وہ دل سے چاہتا تھا کہ نواب صاحب یہاں سے ٹل جائیں اور پھر اٹھ کر اس نے افضل کے بندھے ہوئے ہاتھ کھول دیئے۔ افضل اس کی شخصیت سے کچھ اس طرح متاثرہ ہو چکا تھا کہ اس نے ہاتھ کھلنے کے باوجود کوئی حرکت نہیں کی۔

''دیکھو افضل۔ جو کچھ تمہارے علم میں ہو مجھے صحیح صحیح بتا دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں بچا لیا جائے گا اور تمہارے خلاف جو

بلیک میلنگ سٹف شیطانوں کے پاس ہے وہ بھی حاصل کر کے میں تمہیں دے دوں گا ورنہ جانتے ہو تمہارے جرم کی سزا نواب صاحب کے پاس کیا ہے''...... عمران نے اسے سنجیدگی سے سمجھایا۔

''عمران صاحب۔ مجھے بچا لیجئے۔ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ میں بے حد مجبور تھا۔ میں وعدہ کرتا ہوں میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا جو میرے علم میں ہے''...... افضل کا لہجہ انتہائی عاجزانہ تھا۔

''ٹھیک ہے۔ تم بے فکر رہو''...... عمران نے اسے تسلی دی۔

''صاحب۔ آج سے ایک سال پہلے مجھے خط ملا جس میں وہ بلیک میلنگ اسٹف تھا۔ وہ میری ایک غلطی تھی اور وہ ایک ایسی چیز تھی کہ اگر وہ منظر عام پر آ جاتی تو یقیناً میں خودکشی کر لیتا۔ بہرحال قصہ مختصر اس بلیک میلنگ کی وجہ سے مجبور ہو کر میں ان کا آلہ کار بن گیا۔ میرے ذمہ صرف اتنا کام تھا کہ میں نواب صاحب کی تمام مصروفیات، بات چیت، خط و کتابت کی اطلاع انہیں بھیجتا رہتا۔ چونکہ میں نواب صاحب کا پرائیویٹ سیکرٹری تھا اور نواب صاحب کو مجھ پر اعتماد تھا اس لئے مجھے ان کے یہ مطالبات پورے کرنے میں کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ آج سے کچھ دن پہلے نواب صاحب نے کسی سر سلطان سے بات چیت کی اور کوئی آدمی جنگلات کی تحقیقات کے لئے منگوایا اس کی اطلاع میں نے انہیں بھجوا دی۔ انہوں نے میرے ذمے یہ کام لگایا کہ جیسے وہ آدمی آئے ہمیں اطلاع دینا آپ کی آمد پر میں نے انہیں اطلاع دینی چاہی لیکن میرا

ٹرانسمیٹر خراب ہو گیا''...... افضل نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''تم رابطہ ٹرانسمیٹر بھی رکھتے ہو''...... عمران نے سوال کیا۔

''جی ہاں۔ انہوں نے مجھے ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر بھی دیا ہوا ہے جس پر میں ان کو تمام اطلاعات دیتا ہوں بہرحال کافی دیر بعد وہ ٹرانسمیٹر ٹھیک ہوا لیکن اس وقت تک آپ کی جیپ واپس آ گئی تھی۔ میں نے انہیں تمام تفصیلات بتا دیں۔ انہوں نے مجھے آپ کو گولی مارنے کا حکم دیا اور میں نے کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ باقی صورت حال آپ کے سامنے ہے''...... افضل نے تمام حالات بتلاتے ہوئے کہا۔

''تمہاری رہائش کہاں ہے''...... عمران نے پوچھا۔

''اس محل کے شمالی کونے میں مجھے کوارٹر ملا ہوا ہے''...... افضل نے جواب دیا۔

''تمہیں یہاں سب لوگ پہچانتے ہوں گے''...... عمران نے پوچھا۔

''جی ہاں۔ میں گزشتہ پندرہ سالوں سے یہاں کام کر رہا ہوں۔ مجھے یہاں کا بچہ بچہ جانتا ہے''...... افضل نے جواب دیا۔

''تو پھر تم نے سیاہ کپڑے اور منہ پر نقاب ڈال کر مجھے قتل کرنے کی کوشش کیوں کی''...... عمران نے سوال کیا۔

''عمران صاحب۔ میں نے اس لئے نقاب لگایا تھا کہ آپ کے قتل کی تحقیقات ضرور ہوتی تھی اور بغیر نقاب کے مجھے کوئی دیکھ

لیتا تو مجھے پکڑ لیا جاتا لیکن اس طرح تمام الزام کسی نقاب پوش پر لگ جاتا''...... افضل نے جواب دیا۔

''تمہاری عقل داڑھ نکل چکی ہے''...... عمران نے اچانک سوال کیا۔ اب اس کے چہرے پر دوبارہ حماقتوں کی جلوہ گری تھی۔

''جی''...... افضل نے حیرت سے پوچھا۔ اس کی سمجھ میں عمران کی شخصیت نہیں آ رہی تھی۔ جو پل پل میں روپ بدل لیتا تھا۔

''مقصد یہ کہ تم تو بہت ذہین نکلے''...... عمران نے کہا اور افضل شرمندہ انداز میں مسکرا دیا۔

''اچھا مسٹر افضل۔ اب تم ایسا کرو کہ تم بدستور اپنی جگہ کام کرتے رہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اب تم جو اطلاع انہیں دو گے۔ وہ مجھے بھی بتا دیا کرو اور جو حکم ان سے ملے وہ بھی مجھے بتا دیا کرو۔ میرا وعدہ ہے کہ میں تمہیں بچا لوں گا''...... عمران نے کہا۔

''لیکن نواب صاحب''...... افضل نے قدرے جھجکتے ہوئے کہا۔

''تم بے فکر رہو، میں سب ٹھیک کر لوں گا''...... عمران نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''پھر ٹھیک ہے''...... افضل نے مطمئن لہجے میں کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ جب تم ٹرانسمیٹر پر بات چیت کرتے تھے تو کیا کوڈ ورڈ استعمال کئے جاتے تھے''...... عمران نے پوچھا۔

''یہی ۔ دس کروڑ میں دو شیطان''......افضل نے جواب دیا۔

''ہوں ٹھیک ہے۔تم بیٹھو میں ابھی آتا ہوں''......عمران نے کہا

اور پھر خود اٹھ کر اپنے کمرے سے باہر چلا گیا۔ وہ نواب صاحب کو ڈھونڈ رہا تھا۔

نواب صاحب اپنے کمرے میں بڑی بے چینی کے عالم میں ٹہل رہے تھے ان کے چہرے پر پریشانی صاف عیاں تھی۔ وہ عمران کو آتے دیکھ کر اس کی طرف لپکے۔

''کیا ہوا۔ کچھ پتا چلا''......نواب صاحب نے پوچھا۔

''آپ گھبرائیں نہیں نواب صاحب۔ سب ٹھیک ہو جائے گا''۔ عمران نے کہا اور پھر اس نے ساری تفصیل بتائی۔

''ٹھیک ہے۔ جیسا تم چاہو گے ویسا ہو گا لیکن کیس ختم ہونے کے بعد میں اسے برداشت نہیں کروں گا''...... نواب صاحب نے کہا۔

''آپ بے فکر رہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا''...... عمران نے نواب صاحب کو تسلی دی اور پھر ان سے اجازت لے کر واپس چلا گیا۔ اس نے افضل کو تسلی دی اور بھیج دیا۔

جوزف اس شخص کو آگے لگائے ہوئے چلا جا رہا تھا۔ دو گیلریوں سے گزرنے کے بعد وہ ایک کمرے میں آ گیا۔ اس شخص نے دیوار کے ایک طرف لگے ہوئے بٹن کو ہلکے سے دبا دیا۔ جوزف خاموشی سے کھڑا دیکھ رہا تھا اس وقت چونکا جب اچانک ایک زوں کی آواز سے اس کے چاروں طرف دبیز شیشے کا ایک غلاف آ گیا۔ وہ شیشہ کی چار دیواری میں قید ہو گیا تھا۔ شیشے کی یہ دیواریں اچانک فرش سے نکلی تھیں۔ ان شیشوں پر برین گن کی گولیوں کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ گولیاں جیسے ہی شیشے سے ٹکراتیں چپٹی ہو کر نیچے گر پڑتیں، نقاب پوش نے اسے اندھا دھند گولیاں برساتا دیکھ کر بے اختیار قہقہے لگانے شروع کر دیئے۔ اچانک باہر گیلری میں بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ اس نقاب پوش کے قہقہے حلق میں گھٹ گئے پھر دروازے سے تین نقاب پوش جنھوں نے ہاتھوں میں برین گنیں اٹھائی ہوئی تھیں، اندر داخل ہوئے۔ وہ شاید برین گن چلنے کی آواز سن کر آئے تھے جیسے ہی وہ کمرے کے اندر داخل ہوئے جوزف کو شیشے کے کمرے میں بند دیکھ کر ایک لمحے کے لئے ٹھٹک گئے پھر ان کا رخ دوسرے نقاب پوش کی طرف ہو گیا جو اب تک بٹن کے قریب کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے کون ہے یہ"...... آنے والوں میں سے ایک نے کڑکتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

"میں ٹو فور ہوں سر۔ مجھے یہ نقاب پوش برآمدے میں ملا۔ اس کے ہاتھ میں برین گن تھی۔ اس نے برین گن کے زور پر مجھے مجبور کیا کہ میں اسے باہر جنگل میں لے جاؤں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ ہم میں سے نہیں چنانچہ میں نے نہایت پھرتی سے اسے یہاں قید کر لیا"...... اس نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ جوزف اس وقت خاموشی سے ہاتھ میں برین گن لئے کھڑا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ نادانستگی میں وہ بری طرح پھنس چکا ہے۔

"نمبر ٹو فور، تم نے انتہائی ذہانت سے کام لیا ہے۔ میں تمہاری رپورٹ شیطان کو ضرور پہنچاؤں گا"...... نقاب پوش نے کہا۔

"اب تم جاؤ"...... اسی لیڈر نے کہا اور ٹو فور خاموشی سے کمرے سے باہر چلا گیا۔

"تم برین گن اچھال کر باہر پھینک دو"...... اب اسی نقاب پوش نے جوزف کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

''کیوں باہر پھینک دوں میرے ہاتھ میں پکڑی ہوئی اچھی نہیں لگتی''...... جوزف نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

ایک لمحے تک وہ نقاب پوش خاموشی سے جوزف کو دیکھتا رہا اور پھر مین سوئچ بورڈ کی طرف بڑھ گیا جہاں سے بٹن دبانے پر یہ شیشے کی دیواریں فرش سے نکلی تھیں۔

''اس نے جا کر ایک بٹن دبایا۔ بٹن دبتے ہی پہلے زوں زوں کی آوازیں آتی رہیں پھر اچانک ان دیواروں کے اندر زرد رنگ کا دھواں پھیلنے لگا حالانکہ شیشے کی دیواروں کے اوپر چھت نہیں تھی لیکن اس کے باوجود زرد دھواں نیچے دیواروں کے ساتھ ساتھ نیچے ہی نیچے پھیل رہا تھا۔ اس کا رخ اوپر کی طرف نہیں تھا۔ دھواں نکلتے ہی جوزف کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ ہوا میں معلق ہو گیا ہو۔ اس نے ہاتھ پیر مارنے شروع کر دیئے پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے سارے جسم میں جان باقی نہ رہی ہو۔ اسی لمحے برین گن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے فرش پر جا پڑی۔ جوزف کی آنکھیں بند ہونے لگی۔ وہ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ادھر ادھر ڈولنے لگا۔ چند ہی لمحوں بعد وہ ایک جھٹکا کھا کر فرش پر جا گرا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ نقاب پوش نے بٹن آف کر دیا۔ دھواں بڑی تیزی سے غائب ہو گیا۔ اس نے دوسرا بٹن دبایا اور شیشے کی دیواریں واپس فرش میں گھس گئیں۔ اب جوزف کمرے کے فرش پر بے ہوش پڑا تھا۔ برین گن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ایک طرف گری ہوئی تھی۔

آنے والے نقاب پوشوں نے پھرتی سے وہ برین گن اٹھا لی۔ دوسرے نقاب پوش نے آگے بڑھ کر اس کے چہرے سے نقاب ہٹا دی۔

''اسے اٹھا کر نمبر ٹو کے پاس لے آؤ''...... نقاب پوش نے حکم دیا اور خود کمرے سے باہر چلا گیا۔ باقی نقاب پوشوں نے جوزف کو اٹھانے کی کوشش کی۔ جوزف ان سے اٹھ تو گیا لیکن اس کے لئے انہیں اتنی محنت کرنی پڑی کہ وہ دو قدم چلنے کے بعد پسینے میں نہا گئے۔

جوزف کافی سے زیادہ وزنی تھا اور پھر بے ہوش آدمی کا وزن ویسے بھی معمول سے زیادہ ہو جاتا ہے۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح وہ دونوں جوزف کو کھینچ کھانچ کر نمبر ٹو کے کمرے میں لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔ نمبر ٹو اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا اس نے ایک نظر بے ہوش جوزف کی طرف دیکھا اور پھر وہ دوبارہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ باقی نقاب پوش ایک طرف مؤدب کھڑے تھے۔

''تمہیں علم ہے کہ اس نے زیرو فور اور اس کے دو ساتھیوں کو اکیلے مار مار کر بے ہوش کر دیا ہے''...... نمبر ٹو نے ٹہلتے ٹہلتے اچانک رک کر کہا۔

''اوہو۔ سر بڑی حیرت انگیز بات ہے''...... ایک نقاب پوش نے شدید حیرت آمیز لہجے میں جواب دیا۔

"اسے پہلے اچھی طرح باندھ لو پھر اسے ہوش میں لے آؤ"...... نمبر ٹو نے انہیں حکم دیا اور نقاب پوشوں نے پھرتی سے جوزف کو اٹھا کر کمرے کے درمیان پڑی ہوئی ایک بہت بڑی میز پر لٹا دیا۔ میز کی سائیڈوں پر چمڑے کے موٹے موٹے تسمے فٹ تھے۔ ان تسموں کے ذریعے جوزف کے بے ہوش جسم کو اچھی طرح کس دیا گیا۔ ایک نقاب پوش نے آگے بڑھ کر کونے میں فٹ ایک چھوٹی سی الماری کھولی اور الماری کے اوپر والے خانے سے ایک زرد رنگ کی شیشی اٹھا کر جوزف کی طرف مڑا۔ اس نے جوزف کے قریب آ کر شیشی اس کی ناک کے ساتھ لگا دی۔ تقریباً ایک لمحے بعد جوزف نے کسمسانا شروع کیا اور پھر اسے زور دار چھینک آئی۔ نقاب پوش نے شیشی ہٹا لی۔ جوزف نے آنکھیں کھول دیں اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے اٹھنے کے لئے زور لگایا لیکن تسموں میں کسا ہونے کی وجہ سے وہ ہلنے سے معذور تھا۔ اس نے سرخ آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ شدید غصے کی وجہ سے بگڑا ہوا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی ریچھ بے بس پڑا ہو۔

"کون ہو تم"...... اچانک نمبر ٹو نے کڑکتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"پہلے مجھے شراب دو پھر میں بتاؤں گا کہ میں کون ہوں"۔ جوزف نے انتہائی غصیلے لہجے میں کہا۔

"شٹ اپ۔ بکواس مت کرو ورنہ تمہاری کھال ادھیڑ کر رکھ دوں گا"...... نمبر ٹو اپنے اسسٹنٹوں کے سامنے اپنی بے عزتی برداشت نہ کر سکا۔ جوزف خاموش رہا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

"بتاؤ۔ کون ہو تم"...... نمبر ٹو نے دوبارہ پوچھا۔

"پہلے شراب دو"...... جوزف نے وہی جواب دیا۔

"میرا ہنٹر نکال لاؤ"...... اچانک نمبر ٹو نے ایک نقاب پوش کو حکم دیا اور نقاب پوش پھرتی سے اسی الماری کی طرف بڑھ گیا۔ چند لمحے بعد نمبر ٹو کے ہاتھ میں ایک بہت بڑا اور خوفناک ہنٹر لہرا رہا تھا۔

"بتاؤ۔ کون ہو تم"...... اس نے ہنٹر کو لہرا کر اس سے ایک خوفناک کڑک پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"شراب"...... جوزف نے اسی لہجے میں کہا اور اسی لمحے ہنٹر کی ضرب سے جوزف کے بازو سے خون ٹپکنے لگا اور پھر تو نمبر ٹو وحشی بن گیا۔ اس نے اندھا دھند جوزف کے بندھے ہوئے جسم پر ہنٹر برسانے شروع کر دیئے۔

شڑاپ، شڑاپ کی آوازوں سے کمرہ گونج اٹھا۔ تمام نقاب پوش کمرے کے کونوں میں سہمے ہوئے کھڑے تھے لیکن ہنٹر کی شڑاپ سے زیادہ اونچی آواز جوزف کے منہ سے نکل رہی تھی۔ تقریباً اسی آواز سے ملتی جلتی شراب، شراب، شراب۔ جوزف کا سارا جسم لہولہان ہو گیا۔ چہرے پر ہنٹر کی ضربات سے آڑھی ترچھی سرخ

لکیروں کا جال سا بن گیا تھا۔ جوزف آنکھیں بند کئے لگا تار شراب شراب کی رٹ لگائے ہوئے تھا۔ ایک دفعہ بھی اس کے منہ سے سسکاری نہ نکلی۔ واقعی یہ قوت برداشت کی انتہا تھی۔

''باس''...... اچانک ایک نقاب پوش بول اٹھا۔

''کیا ہے''...... نمبر ٹو نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا۔

''باس۔ میرے خیال میں یہ شخص شراب کا بہت رسیا ہے اور اسی لئے شراب مانگ رہا ہے''...... نقاب پوش نے خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''ہوں''...... نمبر ٹو نے سوچتے ہوئے کہا۔

''کون سی شراب پیؤ گے''...... اچانک نمبر ٹو نے جوزف سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''وہسکی''...... جوزف نے آنکھیں کھول کر نمبر ٹو کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''وہسکی کی ایک بوتل لاؤ''...... نمبر ٹو نے ایک نقاب پوش کو حکم دیا۔

''نہیں۔ ایک سے کام نہیں چلے گا''...... جوزف نے ٹوک دیا۔

''پھر''...... نمبر ٹو نے حیرت سے کہا۔

''میں دس بوتلوں سے کم نہیں پیا کرتا''...... جوزف نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''کیا کہا دس''...... نمبر ٹو حیرت سے چیخ پڑا۔ اس کی آنکھوں

سے بے یقینی صاف عیاں تھی۔

''ہاں۔ ہاں۔ دس۔ لیکن تم حیرت زدہ کیوں ہو گئے۔ کیا زیادہ ہیں''...... جوزف نے اس طرح کہا جیسے وہ دس بوتلوں کو پرکاہ کی حیثیت بھی نہ دے رہا ہو۔

''لیکن تم دس بوتلیں پیتے پیتے تو چار دن لگا دو گے''...... نمبر ٹو نے کہا۔

''صرف آدھا گھنٹہ لگے گا''...... جوزف نے جواب دیا۔

''آدھا گھنٹہ۔ دس بوتلیں پینے کے بعد ہمارے سوالوں کا جواب دو گے''...... نمبر ٹو کا لہجہ اب نرم تھا۔

''ہاں۔ ہاں۔ کیوں نہیں''...... جوزف نے اسے تسلی دی۔

''او کے۔ نمبر تھری الیون۔ اس کے لئے دس بوتلیں وہسکی لے آؤ اور تم نمبر ڈبل سکس اس کے زخموں کی بینڈ یج کرو''...... نمبر ٹو نے دو نقاب پوشوں کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

''بینڈ یج۔ بینڈ یج۔ رہنے دو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تھوڑا سا گندہ خون جسم سے نکل جائے تو اچھا ہوتا ہے''...... جوزف نے یہ الفاظ کچھ اس طرح بے پرواہی سے کہے جیسے اس کے جسم پر ایک ہلکی سی خراش آئی ہو اور اس سے دو تین قطرے خون ٹپک گئے ہوں حالانکہ اس کا سارا جسم لہولہان ہو رہا تھا۔ چہرے پر سارا خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔

نمبر ٹو جوزف کی بہادری اور قوت برداشت سے مرعوب ہو گیا۔

مرعوبیت کے آثار اس کی آنکھوں سے صاف طور پر واضح تھے۔
اتنے میں تھری الیون ایک ٹرالی میں دس بوتلیں وہسکی رکھے کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے ٹرالی جوزف کی میز کے قریب کھڑی کر دی۔

"اس کے ہاتھ کھول دو"...... نمبر ٹو نے حکم دیا اور تھری الیون نے آگے بڑھ کر جوزف کی گردن، سینے اور ہاتھوں پر بندھے ہوئے تسمے کھول دیئے جوزف اسی میز پر بیٹھ گیا۔ ابھی تک اس کی ٹانگیں میز سے بندھی ہوئی تھیں۔ جوزف نے ہاتھ بڑھا کر ٹرالی سے ایک بوتل اٹھائی۔ اس کا ڈھکنا توڑا اور پھر اسے منہ سے لگا لیا۔ تمام نقاب پوش حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ جوزف نے بوتل کو اس وقت منہ سے علیحدہ کیا جب اس سے آخری قطرہ بھی اس کے حلق میں پہنچ گیا۔

زخموں کی وجہ سے اس کی پیاس بڑھ گئی تھی۔ وہ بوتلوں پر بوتلیں چڑھاتا چلا گیا۔ سب نقاب پوش اسے اس طرح حیرت سے دیکھ رہے تھے جیسے ان کے سامنے دنیا کا آٹھواں عجوبہ آ گیا ہو یا کہ بچوں کے سامنے جیسے کوئی مداری حیرت انگیز کھیل دکھا رہا ہو۔ واقعی تھی بھی حیرت انگیز اور نرالی بات کہ ایک آدمی وہسکی کی بوتلوں پر بوتلیں پیتا چلا جائے بغیر سوڈا یا پانی ملائے۔ جوزف نے سات بوتلیں پی کر قدرے اطمینان کا سانس لیا۔ اب اس کا دماغ روشن ہو رہا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ آہستہ آہستہ ہوش میں آتا

جا رہا ہو۔
"تم کہیں نشے میں آوٹ نہ ہو جاؤ"...... نمبر ٹو نے بوتلوں کی تعداد اور جوزف کے پینے کے انداز سے گھبراتے ہوئے کہا۔
"مسٹر۔ میں پچاس بوتلیں اور پی جاؤں تب بھی میں آوٹ نہیں ہوسکتا"...... جوزف نے اطمینان سے جواب دیا۔
پھر اس نے دسویں بوتل بھی منہ سے لگا لی۔ شراب کے علاوہ انہیں حیرت اس بات پر تھی کہ بہرحال نشہ ایک طرف رہا دس بوتلوں میں اچھا خاصا سیال آ جاتا ہے۔ ایک آدمی کے پیٹ میں اتنا سیال بیک وقت کیسے جا سکتا ہے لیکن سب کچھ نقاب پوشوں کے سامنے ہو رہا تھا اور وہ حیرت سے بت بنے ہوئے تھے۔ یقین کرنا ہی پڑ رہا تھا جوزف نے دسویں بوتل کا آخری قطرہ بھی حلق میں انڈیل لیا اور پھر اس نے بوتل منہ سے علیحدہ کی۔ دوسرے لمحے ایک دھماکہ ہوا اور بوتل نمبر ٹو کے سر پر جا پڑی۔ وہ لہراتا ہوا وہیں فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ یہ کارنامہ جوزف کا تھا۔
واقعی دس بوتلیں پی کر اسے ہوش آ گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ دوسرے نقاب پوش کچھ سمجھتے، جوزف نے ان پر خالی بوتلوں کی بارش کر دی۔ خالی بوتلیں اس کی میز پر پڑی ہوئی تھیں۔ اس کی پھرتی اور تیزی قابل دید تھی۔ چند ہی لمحوں بعد تمام نقاب پوش فرش پر ڈھیر پڑے تھے۔ ان کے سروں سے خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔ جوزف نے جلدی جلدی اپنی ٹانگوں پر کسے ہوئے تسمے کھولے اور

پھر اچھل کر میز سے نیچے اتر آیا۔ اس نے کمرے کا دروازہ کھول کر ادھر ادھر جھانکا۔ یہ دروازہ ایک طویل گیلری میں واقع تھا۔ گیلری سنسان تھی۔ جوزف نے سوچا۔ اگر اس طرح میں باہر نکلا تو راستہ میں کوئی نہ کوئی مل جائے گا اور پھر گرفتار ہو جاؤں گا۔ اس نے ایک ترکیب سوچی اور پھر اس نے نقاب پوشوں کو اٹھا اٹھا کر صوفوں کے پیچھے ڈالنا شروع کر دیا۔ اس نے اپنا خون آلود لباس اتار کر نمبر ٹو کو پہنا دیا اور خود اس کا لباس پہن لیا۔ چہرے پر اس کا سرخ نقاب چڑھا لیا۔ گو جوزف کو نمبر ٹو کا لباس بڑی مشکل سے آیا تھا کیونکہ نمبر ٹو جسم میں اس سے ہلکا تھا لیکن بہرحال اس نے کسی نہ کسی طرح اسے پہن لیا۔ اس نے نمبر ٹو کے چہرے پر بھی نقاب اوڑھ دیا۔ پھر وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے کونے والی میز میں لگا ہوا ایک سرخ رنگ کا بٹن دبا دیا۔ چند لمحے بعد دو نقاب پوش ہاتھوں میں برین گنیں لئے کمرے کے اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے سر جھکا کر مؤدبانہ انداز میں جوزف کو سلام کیا۔

"دیکھو۔ اس کو اٹھا کر میرے ساتھ چلو، میں اسے جنگل میں پھینکنا چاہتا ہوں"...... جوزف نے حتی الوسع نمبر ٹو کی آواز نکالتے ہوئے کہا۔

"باس۔ باس۔ مم۔ مم۔ مگر ہم خود ہی چھوڑ آئیں گے۔ آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں"...... ان میں سے ایک نے ڈرتے ڈرتے کہا کیونکہ وہ کمرے کے ماحول پر ایک نظر ڈال چکا تھا۔ تمام

کمرے میں خون پھیلا ہوا تھا۔ ٹوٹی ہوئی بوتلوں کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ میز خون سے لت پت تھی۔ اس نے سوچا۔ باس آج انتہائی غصے میں ہے۔

"شٹ اپ۔ جو میں کہہ رہا ہوں وہ کرو"...... جوزف غصے سے دھاڑا۔ دونوں نقاب پوش سہم گئے۔ نمبر ٹو کا غصہ دیکھ کر ان کے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ انہوں نے برین گن ایک طرف رکھ دیں اور پھرتی سے جھک کر بے ہوش نمبر ٹو کو اٹھا لیا۔ جوزف نے آگے بڑھ کر ایک برین گن اٹھا لی اور پھر وہ دونوں نقاب پوش اپنے باس نمبر ٹو کو کاندھے پر لادے آگے آگے چل رہے تھے اور پیچھے پیچھے جوزف نمبر ٹو کا روپ دھارے ہاتھ میں برین گن پکڑے چل رہا تھا۔ راستے میں کئی نقاب پوشوں سے ٹکراؤ ہوا لیکن وہ جوزف کے چہرے پر سرخ نقاب دیکھ کر ادب سے جھک جاتے۔ جوزف گیلریوں سے گزرتے ہوئے ایک بار پھر اسی کمرے میں پہنچ گیا جہاں اسے شیشے کی دیواروں میں قید کیا گیا تھا۔ ایک نقاب پوش نے آگے بڑھ کر سوئچ بورڈ پر لگے ہوئے ایک بٹن کو دبا دیا ایک ہی لمحے میں سیڑھیاں نیچے لٹک آئیں۔ وہ سب سیڑھیاں چڑھتے گئے۔ سیڑھیوں کے اختتام پر ایک دروازہ موجود تھا۔ دروازے کے ہینڈل کو نقاب پوش نے تین بار مخصوص انداز میں گھمایا تو دروازہ کھل گیا اور وہ باہر نکل آئے۔ جوزف نے باہر نکل کر دیکھا اور پھر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ وہ ایک بڑے درخت

کے تنے سے نکلے ہیں۔ ان کے باہر نکلتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ اب محسوس بھی نہیں ہوتا تھا کہ اس درخت میں بھی دروازہ ہو سکتا ہے۔ اس وقت صبح صادق ہو رہی تھی۔ جنگل پرندوں کی مختلف آوازوں سے گونج رہا تھا۔ جوزف نے درخت کو ذہن میں رکھ لیا پھر وہ جنوبی سائیڈ میں آگے بڑھنے لگا۔ کافی دور آنے کے بعد وہ رک گیا۔

"اسے یہیں ڈال دو"...... اس نے نقاب پوشوں کو حکم دیا اور نقاب پوشوں نے نمبر ٹو کو نیچے گھاس پر ڈال دیا۔ اسی لمحے جوزف نے اپنے چہرے سے نقاب اتار دی۔ نقاب پوش اس کی شکل دیکھ کر حیران رہ گئے۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور بات کرتے، جوزف کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی برین گن پورے زور سے گنگنائی اور دونوں نقاب پوشوں کے جسم میں سینکڑوں گولیاں پیوست ہو گئیں۔ ایک لمحے کے لئے نقاب پوشوں کا جسم ہوا میں لہرایا اور وہ پھر دھماکے سے گھاس پر جا گرے۔ وہ بغیر کوئی آواز نکالے ڈھیر ہو گئے۔ جوزف نے پھرتی سے نمبر ٹو کے چہرے سے نقاب اتار دی اور پھر اسے اٹھا کر کاندھے پر ڈالنے لگا لیکن پھر رک گیا کیونکہ نمبر ٹو ختم ہو چکا تھا اس لئے وہ تنہا ہی تیزی سے جنگل میں دوڑتا چلا گیا۔

آدھی رات کا وقت تھا۔ سڑکیں بیوہ کی مانگ کی طرح خالی تھیں۔ کھمبوں پر لگے ہوئے بجلی کے کم پاور کے بلب اندھیرے کے خلاف جنگ کرنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ کبھی کبھی کوئی کار وہاں سے گزرتی تو اندھیرا وقتی طور پر اپنی شکست تسلیم کر لیتا لیکن اس کے گزرنے کے بعد پھر اس کی بادشاہت ہوتی۔ جنگل اس وقت انتہائی بھیانک لگ رہا تھا۔ گہری تاریکی خوفناک اور اعصاب شکن تھی لیکن ایک موٹر سائیکل جس کا ہیڈ لیمپ تاریک تھا جنگل میں بنی ہوئی چھوٹی سی پگڈنڈی پر دوڑ رہی تھی۔ موٹر سائیکل کی رفتار کافی تیز تھی۔ موٹر سائیکل سوار ایک نوجوان شخص تھا جو جسمانی لحاظ سے دبلا پتلا تھا لیکن اس کی آنکھیں اندھیرے میں بلیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ اس کے جسم پر سیاہ لباس تھا۔ اچانک جنگل شیر کی خوفناک دھاڑ سے گونج اٹھا لیکن موٹر سائیکل ایک لمحہ کے لئے بھی نہ لہرائی جس سے صاف ظاہر تھا کہ موٹر

سائیکل سوار مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ اب وہ جنگل کے درمیان پہنچ چکا تھا۔ اس نے موٹر سائیکل روک دی اور پھر اسٹینڈ پر کھڑی کر کے وہ ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بغور چاروں طرف دیکھ رہا تھا پھر اس نے اپنی کلائی میں بندھی ہوئی ریڈیم ڈائل گھڑی پر ایک نظر ڈالی اور پھر جیب سے ایک عجیب ساخت کا پستول نکال لیا۔ اس نے پستول کا رخ آسمان کی طرف کیا اور ٹریگر دبا دیا۔

ایک ہلکے سے زنّاٹے کے ساتھ کوئی چیز نالی سے نکل کر فضا میں پرواز کر گئی اور پھر دور ایک ستارہ سا چمکا اور پھر لکیر بناتا ہوا اندھیرے میں گم ہو گیا۔ یہ ایک مخصوص سگنل تھا۔ اس نے پستول واپس جیب میں ڈالا اور پھر بغور آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ تقریباً ایک منٹ بعد اسے آسمان پر اسی طرح کا ایک ستارہ ٹوٹتا ہوا نظر آیا۔ دوسرے ستارے کو دیکھ کر وہ چونک پڑا۔ اس کی آنکھوں میں اضطراب نمایاں ہو گیا۔ دوسرے ستارے کے چند منٹ بعد تیسرا ستارہ بھی ٹوٹتا نظر آیا تو اس کے اضطراب میں کچھ کمی آ گئی۔ اس نے پھرتی سے موٹر سائیکل سنبھالا اور پھر موٹر سائیکل آگے دوڑنے لگی۔ اب اس کی رفتار پہلے سے زیادہ تھی۔ اس کا رخ شمال کی طرف تھا۔ کافی دور جانے کے بعد اچانک دور سے ایک درخت پر ایک جگنو سا چمکتا دیکھ کر اس نے موٹر سائیکل کی رفتار آہستہ کر دی۔ تھوڑی دور جا کر اس نے موٹر سائیکل روک دی۔

پھر اچانک درختوں کی اوٹ سے چند سائے نکلے اور انہوں نے

اسے پھرتی سے گھیر لیا۔ ان سب کے ہاتھوں میں بھاری برین گنیں تھیں۔

''کوڈ''...... ان میں سے ایک نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

''دس کروڑ میں دو شیطان''...... اس نوجوان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔تو ان سب کی برین گنیں نیچی ہو گئیں۔

''گڈ نائٹ سر''...... پوچھنے والے نے انتہائی مودبانہ لہجے میں کہا۔

''گڈ نائٹ''...... نوجوان نے جواب دیا۔

''تشریف لائیے سر''...... اس نقاب پوش نے ایک درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''نمبر ٹو کہاں ہے''...... نوجوان نے آگے بڑھنے کی بجائے حیرت سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ تشریف لائیے۔ آپ کو ساری تفصیل ابھی بتلا دی جائے گی''...... اس آدمی نے جواب دیا اور پھر نوجوان چل پڑا۔ تھوڑی دور ایک بہت بڑے درخت کے تنے کے قریب پہنچنے کے بعد لے جانے والے نوجوان نے نجانے کیا کیا کہ اچانک تنے میں ایک دروازہ بن گیا اور پھر وہ نیچے اتر گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ نوجوان ایک سجے سجائے کمرے میں موجود تھا۔ اس کے سامنے وہ نقاب پوش کھڑے تھے جو اسے یہاں تک لائے تھے۔

"سر۔ کل رات یہاں جنگل میں دو آدمی گھس آئے۔ ہم نے ان پر بائپر استعمال کئے لیکن وہ بچ گئے۔ اچانک ایک شیر ادھر آ نکلا اور پھر ان میں سے ایک آدمی شیر سے الجھ پڑا۔ نتیجتاً وہ شیر کے ہاتھوں شدید زخمی ہو کر ختم ہو گیا۔ دوسرے کو گرفتار کر کے ہم یہاں لے آئے۔ وہ ایک لمبا تڑنگا نیگرو تھا۔ یہاں سے اس نے ایک دفعہ بھاگنے کی کوشش کی لیکن ہمارے آدمی کی ذہانت کی وجہ سے اسے دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ باس نمبر ٹو اس پر اپنے کمرے میں تشدد کر رہے تھے اور پوچھ گچھ کر رہے تھے لیکن وہ نیگرو نجانے کیسے ہمارے چار آدمیوں کا سر پھاڑ کر نمبر ٹو پر غالب آ گیا اور پھر نمبر ٹو کا روپ اختیار کر کے وہ اڈے سے باہر نکل گیا۔ نمبر ٹو کی لاش ہمیں جنگل میں ملی"...... نقاب پوش نے کہا۔

"اڈے کے باہر موجود نگرانوں نے اسے چیک نہیں کیا"۔

نوجوان، جو مرزا اشفاق تھا نے انتہائی سخت لہجے میں پوچھا۔

"دراصل وہ بھی اس کے نمبر ٹو والی نقاب سے دھوکا کھا گئے"۔ نقاب پوش نے ادب سے کہا۔

"ہوں"...... مرزا اشفاق نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ چند لمحے تک کچھ سوچنے کے بعد وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ٹھیک ہے نمبر تھری۔ اب میں خود یہاں موجود رہوں گا۔ معاملہ کچھ سیریس ہوتا جا رہا ہے"...... مرزا اشفاق نے کہا۔

"ہمیں خوشی ہو گی سر"...... نمبر تھری نے جواب دیا۔

"اچھا چلو۔ مجھے پروڈکشن دکھاؤ"...... مرزا اشفاق نے کہا۔

"یس سر"...... نمبر تھری نے کہا اور پھر مرزا اشفاق ان کی رہنمائی میں کمرے سے باہر نکل گیا۔

کیپٹن شکیل، صفدر اور جولیا اس وقت ریاست پریم نگر کے ہوٹل سن رائز میں موجود تھے۔ وہ آج پہلی مقامی فلائٹ سے یہاں پہنچے تھے۔ ایکسٹو نے انہیں عمران کی مدد کے لئے بھیجا تھا۔ ایکسٹو نے یہی بتایا تھا کہ وہ ہوٹل سن رائز میں جا کر ٹھہریں۔ عمران خود ان سے رابطہ قائم کرے گا لیکن شام تک عمران نے ان سے رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ وہ تینوں سخت بور ہو رہے تھے۔ تینوں علیحدہ علیحدہ کمروں میں تھے اور ایکسٹو کی ہدایت کے مطابق انہوں نے آپس میں شناسائی بھی ظاہر نہیں کی تھی۔

وہ ہوٹل سے باہر بھی نہیں جا سکتے تھے کہ نامعلوم کس وقت عمران رابطہ قائم کرے۔ اس وقت تینوں ڈائننگ ہال میں علیحدہ علیحدہ میزوں پر موجود تھے۔ کیپٹن شکیل کے قریب والی میز پر دو مقامی بیٹھے ہوئے چائے پینے کے ساتھ ساتھ باتیں بھی کر رہے تھے۔ اچانک ان میں سے ایک کی آواز کیپٹن شکیل کے کانوں میں

پڑی۔

''میں کہتا ہوں۔ ضرور کوئی غیر ملکی پارٹی ہمارے مقابلے میں آ گئی ہے''...... ایک آدمی نے کہا۔

''لیکن غیر ملکی پارٹی کو ہمارے مشن کا پتہ کیسے چلا''...... دوسرا شخص بولا۔

کیپٹن شکیل کو معاملہ کچھ پراسرار لگا اور ویسے بھی وہ فارغ تھا اس لئے وہ دفع الوقتی کے لئے ان کی گفتگو میں دلچسپی لینے لگا۔

''اس پر تو مجھے بھی حیرت ہے۔ ہاں اگر توشینہ خودکشی نہ کر لیتی تو راز معلوم ہو جاتا''...... پہلے نوجوان نے کہا۔

''ویسے ایک بات کہوں۔ باس نے اس پر تشدد بھی انتہائی بھیانک انداز میں کیا تھا''...... دوسرے نے کہا۔

''ہاں۔ باس انتہائی سخت دل اور چالاک ہے اس لئے تو وہ شیطان کے نام سے مشہور ہے''...... پہلے نوجوان نے کہا۔

''ویسے وہ غیر ملکی نوجوان پھر کہیں نظر نہیں آیا''...... دوسرے نوجوان نے کہا۔

''اسے ڈھونڈنے کی بے حد کوشش کی گئی ہے لیکن وہ تو ایسا غائب ہوا ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگ''...... پہلے نوجوان نے کہا۔

''آج باس کا کیا پروگرام ہے''...... دوسرے نوجوان نے کہا۔

''آج باس نے تمام آدمیوں کو حکم دیا ہے کہ وہ شہر میں پھیل

جائیں" اور مشتبہ آدمیوں پر نظر رکھیں کیونکہ مشن تکمیل کے قریب ہے۔ اس وقت بے انتہا احتیاط کی ضرورت ہے"...... پہلے نوجوان نے کہا۔

"کیا صرف غیر ملکی لوگوں پر نظر رکھنی ہے"...... دوسرے نے پوچھا۔

"یہ ضروری نہیں جو بھی مشتبہ نظر آئے"...... پہلے نے کہا۔

کیپٹن شکیل سمجھ گیا کہ یہ معاملہ واقعی پراسرار ہے لیکن اب وہ اس شش و پنج میں تھا کہ آیا اس کا تعاقب کر کے کچھ مزید معلومات حاصل کی جائیں یا انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ ہو سکتا ہے یہ بالکل غیر متعلق معاملہ ہو اور خواہ مخواہ وقت ضائع ہونے کا باعث بنے۔ ان دونوں نے بیرے کو بل لانے کا کہا یعنی اب وہ اٹھنے والے تھے۔ صفدر، کیپٹن شکیل سے چند میزیں دور بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ کیپٹن شکیل نے فیصلہ کیا کہ ان کا تعاقب کیا جائے یہاں خالی بیٹھے رہنے سے کچھ نہ کچھ کر لینا کہیں بہتر ہے۔ اس نے صفدر کی طرف دیکھا۔ صفدر اخبار پڑھنے میں بری طرح منہمک تھا۔ کیپٹن شکیل نے بیرے کو بلایا اور اسے اشارے سے سمجھا کر کہا کہ یہ کارڈ اس میز پر بیٹھے ہوئے آدمی کو دے آؤ۔ بیرہ کارڈ لے کر پھرتی سے صفدر کی طرف بڑھ گیا۔ کیپٹن شکیل بل پہلے ہی دے چکا تھا۔ بیرہ نے صفدر کو جیسے ہی کارڈ دیا۔ صفدر چونک پڑا۔ اس نے بے اختیار کیپٹن شکیل کی طرف دیکھا اور کیپٹن شکیل نے

اسے ایک مخصوص اشارہ کر دیا پھر اٹھ کر ہال سے باہر چلا گیا۔ وہ دونوں آدمی بھی ہال سے باہر نکل چکے تھے۔

دونوں ایک ہی کار میں بیٹھ گئے اور پھر تھوڑی دیر بعد ان کی کار ہوٹل کے کمپاؤنڈ سے باہر نکل گئی۔

کیپٹن شکیل نے ہوٹل کے باہر کھڑی ہوئی خالی ٹیکسیوں میں سے ایک انگیج کی اور اسے کار کے پیچھے چلنے کی ہدایت کی۔ ڈرائیور نے کچھ پس و پیش کرنا چاہا تو کیپٹن شکیل نے دو بڑے نوٹ اس کے ہاتھ میں دے دیئے۔ نتیجہ خوشگوار نکلا۔ کار مختلف سڑکوں سے ہوتی ہوئی پہلے ایک کوٹھی کے باہر رکی۔ ان میں سے ایک آدمی اتر کر کوٹھی میں چلا گیا۔ کار آگے بڑھ گئی۔ کیپٹن شکیل کی ٹیکسی بدستور کار کے پیچھے لگی رہی کیونکہ اسے علم تھا کہ صفدر اس کے پیچھے آ رہا ہو گا اور وہ کہیں رک جائے گا۔ اچانک کار ایک سنسان سڑک پر تیزی سے دوڑنے لگی۔ اب اس کار اور کیپٹن شکیل کی ٹیکسی کے درمیان اور کوئی کار یا ٹیکسی نہیں تھی اس لئے کیپٹن شکیل نے سوچا کہ کار والے کو تعاقب کا شبہ ضرور ہو جائے گا لیکن اس نے ٹیکسی کو روکا نہیں۔ کافی دور جا کر کار کی رفتار اچانک آہستہ ہونا شروع ہو گئی۔ سامنے ایک چوک تھا پھر کار بائیں طرف مڑ گئی۔ کیپٹن شکیل کی کار بھی ادھر ہی مڑی۔ اچانک کیپٹن شکیل نے دیکھا کہ چوک کے دائیں سائیڈ سے ایک اور کار اس کے پیچھے لگ گئی ہے۔

تو یہ بات ہے۔ کیپٹن شکیل نے سوچا۔ اب اسے معاملہ کی

پراسراریت پر کامل یقین ہو گیا۔ اچانک آگے جانے والی کار سڑک کے درمیان میں رک گئی۔ اس نے سڑک کو گھیر رکھا تھا۔

''اب کیا کروں صاحب''...... ڈرائیور نے کیپٹن شکیل سے پوچھا۔

''تم بھی ٹیکسی روک دو''...... کیپٹن شکیل نے اطمینان سے کہا۔

ڈرائیور نے ٹیکسی کار کے پیچھے روک دی۔ پیچھے آنے والی کار بھی ٹیکسی کے قریب آ کر رک گئی اور کیپٹن شکیل بڑے اطمینان سے ٹیکسی میں بیٹھا رہا۔ اس نے ڈرائیور کو کہا کہ وہ ہارن دیتا رہے۔ اگلی کار سے وہی آدمی نکلا اور پھر وہ کیپٹن شکیل کی طرف آیا۔ اتنے میں پچھلی کار میں سے دو آدمی اتر کر ٹیکسی کے قریب پہنچ گئے۔

''آپ شرافت سے نیچے اتر آئیں''...... اگلی کار والے نوجوان نے کیپٹن شکیل سے کہا۔

''لیکن میں تو ٹیکسی میں بیٹھا ہوں شرافت پر تو نہیں''...... کیپٹن شکیل نے اسی اطمینان سے جواب دیا۔

''نیچے اترو''...... اچانک اس کے ہاتھ میں ریوالور چمکنے لگا اور اس کا لہجہ بھی سخت ہو گیا۔ دوسری طرف کھڑے پچھلی کار والوں نے بھی ریوالور نکال لئے۔ ٹیکسی ڈرائیور گھبرا گیا۔ کیپٹن شکیل خاموشی سے ٹیکسی کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ اس کا چہرہ حسب معمول سپاٹ تھا۔

''اور کوئی حکم جناب''...... اس نے نیچے اتر کر بڑے مہذب

انداز میں پوچھا۔

''کار کی طرف چلو''...... نوجوان نے ریوالور اس کی پشت پر لگاتے ہوئے کہا۔

''چلیئے صاحب۔ اگر آپ میرے پیسے ہی بچانا چاہتے ہیں تو مجھے خوشی ہو گی''...... کیپٹن شکیل نے لاپرواہی سے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا اور اگلی کار کی طرف چل پڑا۔

''سنو ڈرائیور۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہتے۔ تمہاری ٹیکسی کا نمبر ہم نے نوٹ کر لیا ہے اگر تم نے اس واقعہ کی اطلاع پولیس کو دی تو تمہیں سرعام گولی مار دی جائے گی۔ اب تم جا سکتے ہو''...... اس نے ڈرائیور کو مخاطب ہو کر کہا اور ڈرائیور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کیپٹن شکیل خاموشی سے جا کر اگلی کار میں بیٹھ گیا۔ پچھلی کار والوں میں سے ایک ریوالور پکڑے کیپٹن شکیل کے ساتھ بیٹھ گیا۔ کار چل پڑی۔ کیپٹن شکیل نے مسکرا کر ساتھ بیٹھے نوجوان کی طرف دیکھا۔

''ریوالور جیب میں ڈال لو۔ خواہ مخواہ کا بوجھ اٹھائے بیٹھے ہو''۔ کیپٹن شکیل نے کہا۔

''شٹ اپ''...... نوجوان نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

کیپٹن شکیل بے نیازی سے سامنے دیکھنے لگا۔ کار مختلف سڑکوں سے ہوتی ہوئی دوبارہ اسی کوٹھی کے سامنے جا کر رکی جہاں پہلا آدمی اترا تھا۔ کیپٹن شکیل سمجھ گیا کہ اسے ٹریپ کرنے کے لئے وہ

کار آگے لے گئے تھے۔ اسی چیز کا پتہ چلانے کے لئے تو وہ خاموشی سے ان کے ساتھ چلا آیا تھا۔ کیپٹن شکیل کو کار سے اتار کر کوٹھی کے اندر لے جایا گیا۔ مختلف کمروں سے ہوتے ہوئے وہ ایک ہال میں پہنچے۔ وہاں ایک دبلا پتلا اور طویل القامت مقامی شخص پہلے سے موجود تھا۔ اس نے کیپٹن شکیل کو دیکھ کر عجیب سا منہ بنایا۔

''کون ہے یہ''...... اس نے کیپٹن شکیل کے ساتھ آنے والوں سے پوچھا۔

''باس۔ یہ شخص ہوٹل سن رائز سے ہمارا تعاقب کر رہا تھا''۔ اگلی کار والے نوجوان نے مؤدبانہ انداز میں جواب دیا۔

''ہوں۔ کون ہو تم''...... اس نے براہ راست کیپٹن شکیل سے پوچھا۔

''ایک سیاح''...... کیپٹن شکیل نے اطمینان سے جواب دیا۔

''تم اس کا تعاقب کیوں کر رہے تھے''۔اس نے پوچھا۔

''ان کو غلط فہمی ہوئی ہے''...... شکیل نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''اسے گولی مار دو''...... باس نے حکم دیتے ہوئے کہا اور ساتھ کھڑے نوجوان نے ریوالور کے ٹریگر پر انگلی رکھ دی۔ کیپٹن شکیل نے سوچا کہ اب کچھ کرنا چاہیے۔ صرف لاپرواہی سے کچھ نہ ہوگا۔ اسی لمحے کمرے میں رکھے ٹیلی فون کی گھنٹی زور زور سے بجنے لگی تو

باس نے رسیور اٹھا کر کانوں سے لگا لیا۔

''یس۔ طالب اسپیکنگ''......اس نے کہا۔

''مرزا اشفاق بول رہا ہوں۔ کوڈ بتاؤ''۔

''شیطان''...... طالب نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''طالب۔ میں مشن پر موجود ہوں۔ تمہارے لئے ایک کام نکل آیا ہے۔ نمبر ٹو کو جنگل میں لے جا کر قتل کر دیا گیا ہے۔ تم نے قاتلوں کا پتا چلانا ہے''...... مرزا اشفاق نے کہا۔

''اوہ۔ یہ تو بہت برا ہوا۔ اس کا مطلب ہے ہمارا مشن دوسروں کی نظر میں آ گیا ہے''...... طالب کے لہجے میں اضطراب تھا۔

''ہاں۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب میں خود مشن پر موجود رہوں تا کہ اپنی نگرانی میں جلد از جلد کام کو تکمیل تک پہنچا سکوں''...... مرزا اشفاق نے کہا۔

''اچھا کیا۔ میں کوشش کروں گا کہ قاتلوں کا پتہ جلد از جلد چلا سکوں۔ ہاں۔ میرے آدمیوں نے ایک آدمی کو ابھی ٹریپ کیا ہے۔ وہ ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ اب وہ سامنے کھڑا ہے۔ میں نے اسے گولی مارنے کا حکم دے دیا ہے''...... طالب نے کہا۔

''انتہائی غلط حکم دیا ہے تم نے۔ اس پر تشدد کر کے پتہ چلاؤ کہ وہ کس پارٹی سے تعلق رکھتا ہے اور کیوں تمہارے آدمیوں کا تعاقب کر رہا تھا۔ ہو سکتا ہے یہ اسی پارٹی کا آدمی ہو جس نے نمبر ٹو کو قتل کیا ہے''...... مرزا اشفاق نے کہا۔

''لیکن اس پارٹی کو تمہارے اور میرے تعلق کا کیسے علم ہو سکتا ہے''...... طالب نے کہا۔

''ہونے کو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ ایک صرف ہم ہی شیطان نہیں۔ اس دنیا میں اور بھی بہت سے شیطان ہو سکتے ہیں''...... مرزا اشفاق نے کہا۔

''او کے۔ میں پتہ کرتا ہوں''...... طالب نے ہنستے ہوئے کہا۔

''جو کچھ معلوم ہو اس سے مجھے ضرور آگاہ کرنا''...... مرزا نے کہا۔

''اچھا''...... طالب نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔ اب وہ کیپٹن شکیل کی طرف بڑی خونخوار نظروں سے دیکھ رہا تھا اور کیپٹن شکیل ویسے ہی لاپرواہی اور بے نیازی کا مجسمہ بنا کھڑا تھا۔

''اسے ستون سے باندھ دو''...... طالب نے گرجدار آواز میں اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔

کیپٹن شکیل نے سوچا۔ اب موقع ہے کچھ کر گزرنے کا چنانچہ ایک آدمی جیسے ہی اس کے قریب آیا۔ کیپٹن شکیل نے اپنی جگہ سے بجلی کی سی تیزی سے جمپ کیا اور دوسرے لمحے وہ طالب کے سامنے تھا۔

اس سے پہلے کہ طالب موقع کی نزاکت کو سمجھتا۔ شکیل نے پھرتی سے ہاتھ بڑھائے اور طالب ایک چکر کھا کر اس کے بازو کی گرفت میں آ گیا۔ اب کیپٹن شکیل طالب کی پشت پر تھا۔ کیپٹن

شکیل کا ایک ہاتھ اس کی گردن کے گرد لپٹا ہوا تھا اور دوسرا اس کی کمر میں۔

''خبردار۔ اگر کسی نے گولی چلائی تو میں تمہارے باس کی گردن توڑ دوں گا''...... کیپٹن شکیل کی آواز میں تلوار کی سی کاٹ تھی۔ طالب کے ساتھی جو اب اس اچانک اور اعصابی جھٹکے سے سنبھل گئے تھے۔ دوبارہ اپنی جگہ بے حس و حرکت ہو کر رہ گئے۔ طالب کیپٹن شکل کی گرفت سے نکلنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا لیکن جیسے ہی وہ کوشش کرتا کیپٹن شکیل اس کی گردن پر بازو کا دباؤ اور زیادہ بڑھا دیتا۔

''اپنے آدمیوں کو کہو ریوالور گرا دیں ورنہ''...... کیپٹن شکیل نے اپنے بازو کو ایک زوردار جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔

''گگ۔ گگ۔ گرا دو''...... طالب نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا اور اس کے ساتھیوں نے پریشان ہو کر ریوالور نیچے گرا دیئے۔

''سب دائیں کونے میں سمٹ جاؤ''...... کیپٹن شکیل نے کرخت آواز میں کہا اور وہ دونوں دائیں کونے میں سمٹ گئے۔ طالب کی آنکھیں گردن پر دباؤ کی وجہ سے باہر کو ابل رہی تھیں۔ اس کا چہرہ اذیت کی زیادتی کی وجہ سے بری طرح بگڑ گیا تھا۔

کیپٹل شکیل اسے اپنے ساتھ گھسیٹتا ہوا آگے دروازے کی طرف لے جانے لگا۔ جب وہ کمرے کے درمیان میں پہنچا تو طالب نے اپنا پیر زمین پر زور سے مارا اور اس سے پہلے کہ کیپٹن شکیل اس کی

اس خطرناک حرکت کو سمجھتا، ایک جھٹکے کے ساتھ اس کے قدموں تلے سے فرش ہٹ گیا اور وہ دونوں تاریک غار میں گر گئے۔ گرتے ہوئے کیپٹن شکیل کا سر زور سے اس خلاء کے کونے سے ٹکرایا اور پھر طالب کی گردن پر کیپٹن شکیل کی گرفت کمزور ہوتی چلی گئی۔

کیپٹن شکیل کے سر پر اچھی خاصی چوٹ لگی تھی۔ اسے بس اتنا یاد رہا کہ وہ تیزی سے نیچے گرتا چلا جا رہا ہے اور بس اور پھر اس کے ذہن پر تاریکی چھا گئی۔

صفدر، کیپٹن شکیل کا اشارہ بخوبی سمجھ چکا تھا چنانچہ کیپٹن شکیل کے ہال سے باہر نکلنے کے بعد وہ بھی ہال سے باہر نکلتا چلا گیا اور پھر اس کی ٹیکسی کیپٹن شکیل کی ٹیکسی کے پیچھے ہی تھی۔ جب ایک کوٹھی کے باہر کار میں سے ایک آدمی اتر کر کوٹھی میں چلا گیا اور کیپٹن شکیل کی ٹیکسی کار کے پیچھے آگے بڑھ گئی تو اس نے وہیں رہ کر کوٹھی کی نگرانی کرنا مناسب سمجھا۔ ویسے اسے اصل حالات کا علم تو نہیں تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ابھی تک عمران نے رابطہ قائم نہیں کیا لیکن اتنا تو وہ بھی سمجھتا تھا کہ کیپٹن شکیل کسی خاص مقصد کے لئے ہی ان آدمیوں کا تعاقب کر رہا ہوگا ورنہ وہ وقت ضائع کرنے والے آدمیوں میں سے نہیں چنانچہ اس نے ٹیکسی وہیں سے رخصت کر دی اور خود پیدل چلتا ہوا کوٹھی کے سامنے سے ایک بار گزر گیا۔ کوٹھی خاصی وسیع و عریض تھی۔ کوٹھی کا پھاٹک بند تھا۔ اب

صفدر یہ سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ کیا وہ اندر جائے یا پھر باہر رہ کر نگرانی کرے۔ آخر اس نے باہر رہ کر ہی نگرانی کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔ اس نے سوچا ہو سکتا ہے اندر جانا کیپٹن شکیل کے مفاد میں نہ ہو۔

وہ ٹہلتا ہوا آگے چل پڑا۔ وہاں ایسی کوئی جگہ نہ تھی جہاں وہ چھپ کر کوٹھی کی نگرانی کرتا۔ اس لئے وہ تھوڑی دیر تک تو کوٹھی کے سامنے ٹہلتا رہا پھر اس نے کوٹھی کے اندر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ چونکہ یونہی وہ کب تک ٹہلتا رہتا۔ خواہ مخواہ اپنے آپ کو مشکوک بنا لینے والی بات تھی چنانچہ وہ گھوم کر کوٹھی کی پشت کی طرف چلا گیا اور پھر ایک درخت کے ذریعے ایک دیوار تک جا پہنچا۔ چند لمحے بعد وہ پائیں باغ میں رینگ رہا تھا۔ کوٹھی خاصی خوبصورت اور اچھے ڈیزائن کی تھی۔ اس کی پچھلی طرف بھی ایک خوبصورت برآمدہ تھا۔ اس میں دو کمروں اور ہال کے دروازے تھے۔ کوٹھی چونکہ دو منزلہ تھی اس لئے اس نے سوچا بہتر طریقہ یہ ہے کہ دونوں منزلوں کی درمیان والی گیلری میں چھپا جائے پھر وہ رینگتا ہوا برآمدہ میں جا پہنچا۔ دائیں کونے میں سیڑھیاں نظر آئیں اور پھر وہ سیڑھیاں چڑھتا ہوا درمیانی گیلری میں جا پہنچا۔ اس گیلری میں نچلے کمروں کے بڑے بڑے روشندان تھے اس نے مختلف روشندانوں سے جھانکا۔ ایک بڑے کمرے میں اسے ایک طویل القامت دبلا پتلا سا آدمی کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ اس کے چہرے پر شیطانیت اور

عیاری مجسم ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ کافی دیر تک بیٹھا رہا۔ صفدر نے دیکھا کہ اچانک ہال کا دروازہ کھلا اور پھر وہ یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ کیپٹن شکیل مسلح آدمیوں کے نرغے میں ہال میں داخل ہوا۔ صفدر حیران تھا کہ کیپٹن شکیل ان کے قابو کس طرح آ گیا۔ یہی ہو سکتا ہے کہ اس نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہو۔ جس وقت طویل القامت شخص نے کیپٹن شکیل کو گولی مار دینے کا حکم دیا۔ صفدر نے ریوالور سنبھال لیا۔ اس نے روشندان ذرا سا پہلے ہی کھول رکھا تھا۔

پھر اس نے کیپٹن شکیل کو سچویشن پر قابو پاتے دیکھا تو وہ مطمئن ہو گیا لیکن پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ جب اچانک فرش میں خلا پیدا ہوا اور وہ دونوں اس کے اندر گر گئے۔ دوسرے لمحے فرش برابر ہو گیا۔ اب ہال میں صرف وہی دونوں مسلح آدمی رہ گئے۔ فرش کے برابر ہوتے ہی وہ دونوں پھرتی سے مڑے اور دوسرے لمحے وہ دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔

صفدر تیزی سے اٹھا اور پھر تقریباً بھاگتا ہوا گیلری کے سرے کی طرف بھاگا۔ چند لمحے بعد وہ سیڑھیوں پر تھا۔ وہ دو دو تین سیڑھیاں بیک وقت پھلانگتا ہوا نیچے اترنے لگا۔ وہ تیزی اس لئے کر رہا تھا کہ صاف ظاہر تھا کہ کیپٹن شکیل اور طویل القامت شخص دونوں کسی تہہ خانے میں گرے ہیں اور اب یہ دونوں مسلح شخص یقیناً اسی تہہ خانے کی طرف گئے ہوں گے چنانچہ ان دونوں کے غائب ہونے سے پہلے اگر وہ نیچے پہنچ جاتا تو وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے

وہاں پہنچ سکتا ہے لیکن بے انتہا پھرتی کے باوجود بھی جب وہ نیچے پہنچا تو برآمدہ خالی تھا۔ اب وہ آہستہ آہستہ ایک کمرے کی طرف بڑھا۔ اس کمرے کا دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا جیسے کوئی جلدی میں بند کرنا بھول گیا ہو۔ صفدر نے اندازہ لگایا کہ اسی کمرے سے تہہ خانے کا راستہ جاتا ہو گا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے ادھر ادھر دیکھا اور پھر دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔ کمرہ خالی تھا۔ اس میں کسی قسم کا فرنیچر نہیں تھا۔ صفدر کمرے کو خالی پا کر ایک لمحے کے لئے ٹھٹک گیا اور اس نے چاروں طرف متجس انداز میں دیکھنا شروع کیا۔ سامنے والی دیوار پر اسے شک ہوا اور وہ نزدیک ہو کر اسے بغور دیکھنے لگا پھر اس نے ہاتھ سے دبا کر دیوار کو پرکھا۔ اچانک اسے احساس ہوا جیسے کمرے میں کوئی اور آ گیا ہو۔ اس سے پہلے کہ وہ مڑتا ایک گرجدار آواز سے کمرہ گونج اٹھا۔

"ہینڈز اپ"...... ساتھ ہی رائفل کی نال اس کی کمر میں چبھنے لگی۔

صفدر نے ایک طویل سانس لے کر ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریوالور کو زمین پر گرا کر دونوں ہاتھ سر سے بلند کر لئے۔

"بائیں سائیڈ پر ہٹ جاؤ"...... وہی گرجدار آواز دوبارہ گونجی اور صفدر بائیں طرف ہٹ گیا۔

اب حکم دینے والا اس کی سائیڈ میں تھا۔ اس نے دیکھا کہ وہ اچھا خاصا کیم شحیم شخصیت کا مالک تھا۔ اس نے رائفل ہاتھ میں

پکڑی ہوئی تھی۔ حملہ آور نے ایک ہاتھ سے رائفل پکڑے رکھی اور دوسرے ہاتھ سے جھک کر صفدر کا ریوالور اٹھا لیا۔ موقع بڑا اچھا تھا۔ اگر صفدر چاہتا تو حملہ آور کا مار لیا جانا کوئی زیادہ مشکل نہ تھا لیکن وہ خود ہی اسے طرح دے گیا کیونکہ وہ جلد سے جلد کیپٹن شکیل تک پہنچنا چاہتا تھا اور یہ شخص یقیناً اسے وہیں لے جاتا۔ چنانچہ وہی ہوا۔ ریوالور اٹھا کر جیب میں ڈال لینے کے بعد اس نے صفدر کو کمرے سے باہر نکلنے کا حکم دیا اور پھر صفدر اس کے آگے آگے کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس کی رہنمائی میں وہ برآمدے میں چلتا ہوا ایک دوسرے کمرے میں پہنچا۔ اندر داخل ہو کر اس آدمی نے سوئچ بورڈ پر لگا ہوا ایک بٹن دبایا اور سامنے دیوار میں ایک دروازہ کھل گیا۔ یہ ایک چھوٹے سے کمرے کا دروازہ تھا۔ اس کمرے کے کونے میں سیڑھیاں موجود تھیں جو نیچے جا رہی تھیں۔ ان سیڑھیوں کے ذریعے وہ ایک ہال میں پہنچ گئے۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں صفدر پہنچنا چاہتا تھا۔ سامنے ہی فرش پر کیپٹن شکیل زخمی حالت میں پڑا ہوا تھا اور اس کے سر سے کافی مقدار میں خون بہہ کر منجمد ہو چکا تھا اور وہ بے ہوش تھا۔ وہ طویل القامت شخص کیپٹن کے سرہانے کھڑا اسے معنی خیز نظروں سے بغور دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئے اس طویل القامت نے اچانک سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کی جھلکیاں تھیں۔

جولیا نے کیپٹن شکیل کو صفدر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیکھا تھا اور پھر اشارے کے مطابق کیپٹن شکیل کے باہر جانے کے بعد صفدر بھی اٹھ کر باہر چلا گیا۔ جولیا حیران تھی کہ کیپٹن شکیل کو بیٹھے بیٹھے کیا سوجھی جبکہ انہیں سرے سے کیس کا علم نہیں تھا۔ کافی دیر تک وہ اس معاملے پر غور کرتی رہی لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا اسے اب عمران پر غصہ آنا شروع ہو گیا کہ آخر اس نے اب تک رابطہ کیوں نہیں قائم کیا۔ ابھی وہ سوچ رہی تھی کہ اچانک اسے محسوس ہوا کہ اس کی میز کے قریب کوئی شخص موجود ہے۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک مجہول صورت نوجوان بڑی بے چارگی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے اسے خیال آیا کہ شاید کوئی بھکاری ہے جو موقع پا کر ہوٹل میں بھیک مانگنے کے لئے گھس آیا ہے لیکن دوسرے لمحے اس کے لباس کا خیال کر کے اسے

اپنا خیال بدلنا پڑا کیونکہ لباس کافی صاف ستھرا تھا۔

''کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں''...... نوجوان کی آواز میں عاجزی نمایاں تھی جیسے اسے امید نہ ہو کہ وہ اسے بیٹھنے دے گی۔ جولیا کو رحم آ گیا۔

''بیٹھ جاؤ''...... جولیا نے نرم لہجے میں کہا نوجوان کرسی پر یوں دھم سے بیٹھا جیسے جولیا کے ارادہ بدلنے سے پہلے کرسی پر قبضہ کرنا چاہتا ہو۔ جولیا بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ذہن کا غبار صاف ہو گیا۔

''مجھے شتر نکیل آبادی کہتے ہیں''...... نوجوان نے قدرے جھینپتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔

''شتر نکیل آبادی''...... جولیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اب وہ اردو اچھی طرح جانتی تھی اس لئے ان الفاظ سے وہ پوری طرح محظوظ ہوئی۔

جولیا کو مسکراتے دیکھ کر نوجوان اور جھینپ گیا۔

''مجھے صوفیہ کہتے ہیں''...... جولیا نے نجانے کیوں اپنا اصل نام بتانے سے گریز کیا۔

''صوفیہ۔ تو کیا آپ شادی شدہ ہیں''...... نوجوان نے حیرت سے پوچھا۔

''کیا مطلب''...... جولیا کو اس سوال نے واقعی حیرت میں ڈال دیا۔

"جی ہاں صوفیہ۔ یعنی صوفی کی بیوی"...... نوجوان نے وضاحت کی تو جولیا بے اختیار ہنس پڑی۔

"نہیں مسٹر شتر نکیل آبادی۔ میں شادی شدہ نہیں ہوں"۔ جولیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ مجھے غلط فہمی ہوئی"...... نوجوان نے کہا۔

"کیا آپ شاعر ہیں"...... جولیا نے اس میں دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"شاعر نہیں۔ لیکن آپ نے کیسے اندازہ لگایا"...... نوجوان نے حیرت سے کہا۔

"آپ کے نام کی وجہ سے"...... جولیا نے کہا

"نام سے۔ لیکن میرے نام میں تو کوئی قافیہ ردیف موجود نہیں"...... نوجوان نے کہا

"تو پھر شتر نکیل آبادی کیا ہوا"...... جولیا باقاعدہ بحث کے موڈ میں آ گئی۔

"نکیل آبادی اس جگہ کا نام ہے جہاں میں پیدا ہوا تھا اور شتر میرا نام ہے"...... نوجوان نے کہا

"اور آپ کے والد کا نام کیا تھا"...... جولیا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"شتر بے مہار"...... نوجوان نے بغیر کسی تکلف کے جواب دیا۔

اور جولیا بے اختیار ہنس پڑی۔ نوجوان نے جولیا کو اس طرح

ہنستے دیکھ کر برا سا منہ بنایا۔

"کیا میں نے کوئی لطیفہ سنایا ہے"...... نوجوان نے جھنجلا کر کہا۔

"کمال ہے۔ یہ لطیفہ نہیں تو اور کیا تھا"...... جولیا نے ہنسی پر بڑی مشکل سے قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

"کمال ہے۔ ہمارے تو سیدھے سادھے نام آپ کے لئے لطیفہ بن گئے اور آپ کا نام جو صوفہ ہے وہ لطیفہ نہیں"...... نوجوان نے باقاعدہ طور پر منہ چڑاتے ہوئے کہا۔

"صوفہ نہیں مسٹر شتر نکیل آبادی۔ صوفیہ"...... جولیا نے نوجوان کی بات کا برا منائے بغیر کہا۔

"اچھا چلو۔ صوفیہ ہی سہی اور ایک مثال دوں۔ ڈاگ ہیمر شولڈ یعنی ہتھوڑے جیسے کاندھوں والا کتا۔ اب بتایئے یہ نام ہے"۔ نوجوان باقاعدہ دلیل بازی پر اتر آیا۔

"آپ غلط سمجھے مسٹر۔ یہ لفظ اس طرح نہیں"...... اب جولیا سنجیدہ ہو چکی تھی۔

"اچھا چلو۔ یہ بھی غلط سہی اور ستو جیسے ایکسٹو"...... نوجوان نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا اور جولیا کو "ایکسٹو" کا لفظ سن کر ایسے محسوس ہوا جیسے اس کے سر پر بم پھٹ پڑا ہو۔ وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

"کک۔ کک۔ کیا مطلب۔ تم کون ہو"...... جولیا کے حواس ابھی تک قابو میں نہیں آئے تھے۔ دراصل اس کے تصور میں بھی

نہیں تھا کہ یہ پاگل سا نوجوان ایکسٹو کا نام یوں اچانک لے دے گا۔

"تم اور نام سنو جیسے رانا تہور علی صندوقی۔ اب بتاؤ صندوقی کا کیا مطلب ہوا۔ اور سنو جیسے پرنس آف ڈھمپ۔ اب بتاؤ یہ ڈھمپ کیا بلا ہے"...... نوجوان اپنی دھن میں کہتا چلا گیا۔

جولیا پر اب گہری سنجیدگی چھا چکی تھی۔ وہ بڑی کینہ توز نظروں سے نوجوان کو دیکھ رہی تھی جیسے اب وہ اسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

"ارے تم مجھے کھا جانے والی نظروں سے کیوں دیکھ رہی ہو۔ کہیں تم میں عرب خون تو شامل نہیں کہ شتر کو دیکھ کر کھانے کا ارادہ کر لیا"۔ نوجوان نے گھبراتے ہوئے کہا۔

"اپنا اصل نام بتاؤ"...... جولیا کے لہجے میں تلوار کی سی کاٹ تھی۔ اس کے اعصاب تن گئے تھے۔

"شش۔ شش۔ شوتر۔ ارے بتاتا ہوں۔ بتاتا ہوں"۔ نوجوان نے جولیا کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر گھبراتے ہوئے کہا۔ جولیا نے اچانک پرس سے چھوٹا ریوالور نکال لیا تھا۔

"مجھے علی عمران ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی (آکسن) کہتے ہیں"۔ نوجوان نے کہا اور جولیا نے یوں طویل سانس لیا جیسے اس کے سر سے کوئی بلا ٹل گئی ہو۔ اس نے ریوالور جلدی سے واپس اپنے پرس میں رکھ لیا۔

"تم نے نام غلط کیوں بتایا تھا"...... اچانک جولیا کو غصہ آ گیا۔

"تم نے بھی تو مجھے غلط بتایا تھا کیا کہتے ہیں۔ کیا نام بتایا صوفہ۔ اسپرنگوں والا صوفہ۔ لاحول ولا قوۃ"...... اچانک عمران نے اپنے گالوں پر چانٹے مارنے شروع کر دیئے۔ جیسے چانٹے مارنے سے اس کی یادداشت واپس آ سکتی ہو۔ ہوٹل میں بیٹھے ہوئے باقی لوگ حیرت سے عمران کی یہ حرکت دیکھنے لگے۔ جولیا بوکھلا گئی۔

"چلو۔ چلو۔ اوپر کمرے میں چلو"...... وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

’’کیوں۔ کیا اغوا بالجبر کا ارادہ ہے۔ محترمہ ابھی تو میری مسیں بھی نہیں بھیگیں‘‘...... عمران کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی اور جولیا بری طرح جھینپ گئی۔ اسے اور تو کچھ نہ سوجھا۔ وہ تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی لفٹ کی طرف چل دی۔

عمران بھی اٹھ کر اس کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔ کمرے میں پہنچ کر جولیا پھٹ پڑی۔

’’تمہیں شرم نہیں آتی یوں پبلک میں مجھے ذلیل اور رسوا کرتے ہوئے‘‘...... جولیا نے غصیلے لہجے میں کہا۔

’’آتی ہے۔ آتی ہے‘‘...... عمران نے بوکھلاتے ہوئے جواب دیا اور جولیا خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو ٹھنڈا کیا۔ عمران اب بھی خاموش بیٹھا تھا جیسے وہ بولنا جانتا ہی نہ ہو۔ جولیا نے پانی کا ایک گلاس پیا اور پھر عمران کے مقابل والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

’’تم نے اب تک ہم سے رابطہ کیوں نہیں کیا تھا‘‘...... جولیا نے بڑی نرم آواز میں پوچھا۔

’’ہم سے‘‘...... عمران نے حیرت سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا اور پھر چونک پڑا۔

’’ارے ہاں دو ہنسوں کا جوڑا کہاں گیا‘‘۔

’’مجھے معلوم نہیں۔ اتنا مجھے علم ہے کہ کیپٹن شکیل نے اچانک صفدر کو اشارہ کیا اور پھر دونوں آگے پیچھے ہوٹل سے باہر نکل گئے‘‘۔

’’تمہیں کچھ نہیں بتایا‘‘...... عمران اب سنجیدہ تھا۔

’’نہیں‘‘...... جولیا نے مختصر سا جواب دیا۔

’’ہوں‘‘...... عمران سوچ میں ڈوب گیا۔ تھوڑی دیر کے لئے گہری خاموشی رہی پھر عمران نے طویل سانس لی اور جیب سے ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر نکال کر جولیا کو دے دیا۔

’’یہ ٹرانسمیٹر ہے۔ تم ابھی یہیں رہو جس وقت بھی یہ دونوں واپس آئیں۔ مخصوص فریکونسی پر مجھے اطلاع دے دینا۔ میں تمہارا منتظر رہوں گا‘‘...... عمران نے ہدایت دیتے ہوئے کہا۔

’’لیکن چکر کیا ہے‘‘...... جولیا نے ٹرانسمیٹر لیتے ہوئے کہا۔

’’قسمت کے چکر ہیں اور ہم تو ہیں ہی سدا کے گھن چکر۔ سمجھیں‘‘۔ عمران دوبارہ پٹڑی سے اتر رہا تھا۔

جولیا سمجھ گئی کہ وہ ابھی کچھ بتانا نہیں چاہتا۔ وہ اتنا تو اچھی طرح جانتی تھی کہ جب تک عمران نہ چاہے دنیا کی کوئی طاقت اس سے کچھ معلوم نہیں کر سکتی اس لئے وہ خاموش ہو گئی۔ خواہ مخواہ دماغ کھپانے سے کیا فائدہ۔ عمران چند منٹ خاموش رہا اور پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

’’اچھا۔ اب میں چلتا ہوں جس وقت یہ دونوں آئیں مجھے رپورٹ ضرور دینا‘‘...... یہ کہہ کر وہ تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ جولیا نے ایک طویل سانس لی اور پھر اٹھ کر دروازہ بند کر لیا۔

"کون ہے یہ"...... دراز قد نے حیرت سے پوچھا۔

"سر یہ آدمی"...... وہ آدمی جو صفدر کو کور کئے کھڑا تھا۔ ابھی اتنا ہی کہہ سکا تھا کہ اچانک صفدر نے جھٹکے سے مڑ کر اس کی رائفل پر ہاتھ ڈال دیا کیونکہ اب وہ زیادہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیپٹن شکل کے سر سے خون بہہ رہا تھا اور وہ جانتا تھا کہ جتنی بھی دیر ہوئی اتنی ہی کیپٹن شکیل کی حالت خطرناک ہوتی چلی جائے گی۔ ایک ہی جھٹکے سے رائفل صفدر کے ہاتھ میں آ چکی تھی۔ صفدر رائفل لے کر پھرتی سے مڑا لیکن دوسرے لمحے دراز قامت کے ریوالور سے نکلی ہوئی گولی صفدر کے کان کے قریب سے گزرتی ہوئی پیچھے آدمی کے سینے میں پیوست ہوگئی۔ صفدر برق کی سی تیزی سے ایک طرف ہٹ گیا اور اس سے پہلے کہ دراز قامت دوسری گولی چلاتا، صفدر نے رائفل اس پر دے ماری کیونکہ اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ رائفل سے گولی چلاتا۔ اس کی رائفل پڑنے سے دراز قامت کے ہاتھوں سے ریوالور نکل کر ایک طرف جا گرا۔

دراز قامت نے ریوالور کی طرف تیزی سے جمپ لگایا لیکن صفدر اچھل کر اس پر جا پڑا۔ اس پر جنون سوار ہو چکا تھا۔ دراز قامت نے پھرتی سے مڑ کر بچنا چاہا لیکن صفدر بھلا کب اسے موقع دینے کا روا دار تھا۔ اس نے ایک زور دار مکا اس کی گردن پر مارا لیکن پھر صفدر اوغ کی آواز نکالتا ہوا دوسری طرف الٹ گیا۔ دراز قامت نے اس کے پیٹ پر پورے زور سے گھٹنا دے مارا تھا۔ صفدر کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی آنتیں باہر آ گئی ہوں۔ درد کی ایک شدید لہر تھی جو اس کے جسم میں رواں دواں تھی۔ اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا۔ دوسرے لمحے اس کے پیٹ پر ایک اور لات لگی۔ صفدر کا جسم جھٹکا کھا کر رہ گیا۔ اچانک اسے کیپٹن شکیل کا خیال آیا۔ کیپٹن شکیل کا تصور آتے ہی اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اندھیرے چھٹنے لگے ہوں۔ اس نے اپنی پوری قوت ارادی کو بروئے کار لاتے ہوئے کروٹ لی اور پھر اس کی یہی کروٹ اسے تیسری لات کھانے سے بچا گئی۔ اس نے اچھل کر دراز قامت کی ٹانگ پکڑ لی۔ دراز قامت اپنے ہی زور سے نیچے آ گرا۔ دراز قامت کا سر فرش سے پورے زور سے ٹکرا کر رہ گیا اور ایک دو جھٹکے کھا کر وہ بے حس ہو گیا۔ شدید چوٹ نے اسے بے ہوش کر دیا تھا۔

صفدر تیزی سے اٹھا۔ اس نے سر کو دوبارہ جھٹکا۔ اب وہ پوری طرح سے ہوش میں آ چکا تھا۔ قدرت نے اس کی مدد کی ورنہ دراز قد کافی پھرتیلا اور طاقتور ثابت ہوا تھا۔ اس نے کیپٹن شکیل کی طرف دیکھا جس کے سر سے ابھی تک خون نکل رہا تھا۔ اس نے دراز قامت کا ریوالور اٹھایا۔ اس کے پیٹ میں ابھی شدید درد تھا لیکن کیپٹن شکیل کی حالت دیکھ کر اسے اپنا درد بھول گیا۔ اس نے بدقت کیپٹن شکیل کو اپنی کمر پر لادا اور پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ گیلری سنسان تھی۔ وہ تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا گیلری پار کرنے لگا۔ ایک موڑ پر جیسے ہی مڑا اسے سامنے ایک آدمی رائفل ہاتھ میں لئے کھڑا نظر آیا۔ صفدر کی طرف اس کی پشت تھی۔ صفدر جانتا تھا کہ اس شخص کو قابو کئے بغیر وہ آگے نہیں بڑھ سکتا جبکہ بے ہوش شکیل بھی اس کے کاندھے پر لدا ہوا ہو۔ اس نے بڑی آہستگی سے شکیل کو فرش پر لٹا دیا اور پھر ریوالور ہاتھ میں لے کر بڑی آہستگی سے اس آدمی کی طرف بڑھنے لگا۔ اس نے اپنے قدموں کی چاپ بالکل نہ ابھرنے دی لیکن ابھی دو تین فٹ دور تھا کہ اچانک وہ شخص مڑا اور پھر صفدر کو دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ صفدر نے فوراً منہ پر انگلی رکھ کر بڑے پراسرار انداز میں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ یہ ایک نفسیاتی طریقہ تھا۔ جسے صفدر نے بڑی کامیابی سے استعمال کیا۔ اب صفدر اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس وقت وہ شخص بھی ہوش میں آ گیا۔

لیکن اب وقت بالکل نکل چکا تھا صفدر اچھل کر اس سے لپٹ گیا۔ صفدر کا ہاتھ اس کے منہ پر تھا۔ اچانک حملے سے رائفل اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ اس نے اپنا منہ چھڑانے کی بے حد کوشش کی لیکن صفدر کا دباؤ بڑا سخت تھا چنانچہ چند لمحوں بعد وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ صفدر نے اسے گھسیٹ کر ایک سائیڈ پر ڈالا اور وہاں سے چل پڑا لیکن موڑ پر پہنچ کر اسے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا کیونکہ کیپٹن شکیل وہاں سے غائب تھا۔ بے ہوش شکیل کہاں جا سکتا ہے۔

صفدر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کیا کرے اور کیپٹن شکیل کو کہاں سے ڈھونڈے۔ اچانک اسے خطرے کا احساس ہوا کہ جس کسی نے بھی بے ہوش شکیل کو اٹھایا ہو گا۔ وہ ضرور اس کی موجودگی سے بھی واقف ہو گا۔ وہ پھرتی سے واپس مڑا اور پھر اسے جیسے ہوش آ گیا۔ اپنے آپ پر اسے ہنسی بھی آئی کیونکہ جلدی کی وجہ سے اور کچھ غلط فہمی کی بنا پر وہ گیلری کی دوسری سائیڈ پر مڑ گیا تھا جبکہ کیپٹن شکیل دوسری سائیڈ پر پڑا تھا۔ اس نے پھرتی سے اسے اٹھایا اور پھر وہ سامنے کے رخ جانے کی بجائے عمارت کے عقب کی طرف چل دیا۔ بے ہوش شکیل سمیت پچھلی دیوار کودنا ناممکن تھا۔ اس لئے اس نے ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا لیکن باہر نکلنے کا اسے کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ سخت مشکل میں پھنس چکا تھا۔ ادھر لمحہ بہ لمحہ کیپٹن شکیل کی حالت خطرناک ہوتی جا رہی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا

کرے اور کیا نہ کرے۔ ذہن بالکل ماؤف ہو کر رہ گیا تھا بہرحال اس نے سوچا کہ کچھ نہ کرنے سے کچھ کرنا بہتر ہے۔ آخر اسے ایک صورت نظر آ گئی۔ ایک سائیڈ پر لکڑی کے بڑے خالی گملے پڑے تھے۔ ان گملوں میں پام کے پودے لگائے جاتے تھے۔ قدرت نے اس کی مدد کرنی تھی کہ اسے وہ گملے مل گئے۔ اس نے کیپٹن شکیل کو نیچے لٹا کر بڑی تیزی سے وہ گملے اٹھا کر انہیں دیوار کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے اوپر رکھنا شروع کر دیا۔ اب وہ بآسانی ان پر کھڑے ہو کر کیپٹن شکیل کو دیوار پر لٹا سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور پھر کیپٹن شکیل کو دیوار پر لٹا کر وہ خود بھی دیوار پر چڑھ گیا۔ اب مسئلہ تھا دوسری طرف اترنے گا اور تو کوئی صورت اسے نظر نہ آئی۔ اس نے کیپٹن شکیل کو بازوؤں سے پکڑ کر دیوار کی دوسری طرف لٹکا دیا۔ کافی نیچے جا کر چھوڑ دیا۔ بے ہوش کیپٹن شکیل ہلکی سی آواز سے نیچے جا پڑا اور پھر وہ خود بھی نیچے کود گیا۔ اسی لمحے ساری کوٹھی جگمگا اٹھی۔ شاید دراز قامت ہوش میں آ چکا تھا لیکن صفدر اب بچ نکلا تھا۔ اس نے کیپٹن شکیل کو اٹھا کر بھاگنے کی کوشش کی تاکہ جلد سے جلد اس ماحول سے چھٹکارا حاصل ہو سکے اور پھر چند سڑکیں عبور کرنے کے بعد اسے ایک ٹیکسی مل گئی۔ اس نے ٹیکسی روکنے کے لئے اشارہ کیا۔ ٹیکسی ایک چیخ کے ساتھ رک گئی۔ صفدر نے ٹیکسی ڈرائیور کو جلد سے جلد کسی سرجن کے پاس پہنچانے کے لئے کہا اور ٹیکسی ڈرائیور نے اسے جلد سے جلد

ایک مقامی ہسپتال میں چھوڑ دیا۔ ڈاکٹر کو صفدر نے بتایا کہ یہ میرا دوست ہے۔ اچانک چھت سے گر جانے کی وجہ سے اسے چوٹ لگ گئی ہے۔ ڈاکٹر نے اسے تسلی دی کہ امید ہے کہ آپ کا دوست بچ جائے گا۔ کچھ دیر تو ہو چکی تھی لیکن معاملہ ابھی ناامیدی تک نہیں پہنچا۔

صفدر کو اطمینان ہوا اور اس نے ڈاکٹر کے ہاں سے جولیا کو فون کر کے تمام پوزیشن کوڈ ورڈز میں بتا دی۔

جوزف کی رپورٹ سے عمران کو جنگل میں مجرموں کے خفیہ اڈے کے متعلق کافی معلومات حاصل ہو گئیں اور جولیا نے صفدر کی رپورٹ تفصیل سے عمران کو ٹرانسمیٹر پر بتا دی۔ صفدر کی رپورٹ میں بھی دس کروڑ میں دو شیطانوں کا حوالہ آیا تھا اور افضل نے بھی اس کا ذکر کیا تھا۔ دوسری طرف جوزف نے بھی کچھ شیطانوں کے متعلق ذکر کیا تھا اس لئے عمران سمجھ گیا کہ صفدر اور کیپٹن شکیل نادانستگی میں مجرموں سے ٹکرا گئے ہیں۔ کیپٹن شکیل کی حالت اب بہت بہتر تھی۔ ڈاکٹر نے اسے مکمل آرام کا مشورہ دیا تھا۔ وہ اب ہسپتال سے واپس ہوٹل پہنچ چکا تھا۔ عمران نے فیصلہ کیا کہ وہ کسی طرح ان کے خفیہ اڈے میں پہنچ جائے تو مجرموں کے مقصد کا علم ہو سکتا ہے لیکن اس کے لئے اسے کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ آخر اس نے براہ راست اقدام کا فیصلہ کیا اور پھر اس نے

ٹرانسمیٹر پر جولیا کو احکامات دینے شروع کر دیئے۔

''ہیلو، ہیلو۔ عمران اسپیکنگ۔ اوور''...... عمران نے کال دیتے ہوئے کہا۔

''یس۔ جولیا دس اینڈ عمران۔ اوور''...... دوسری طرف سے جولیا کی آواز سنائی دی۔

''کیا مطلب جولیا۔ کیا تم نے اپنا نام تبدیل کر لیا ہے۔ اوور''۔ عمران نے تعجب بھری آواز میں سوال کیا۔

''میں سمجھی نہیں۔ اوور''...... جولیا کی حیرت سے بھرپور آواز سنائی دی۔

''یعنی جولیانا فٹز واٹر کی بجائے جولیا دس اینڈ۔ اوور''...... عمران نے جواب دیا اور جولیا ہنس پڑی۔

''عمران۔ مطلب بیان کرو''...... جولیا نے کہا۔

''اگر میں نے مطلب بیان کر دیا تو تم ٹرانسمیٹر اٹھا کر فرش پر دے مارو گی۔ اوور''...... عمران نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''یو شٹ اپ۔ خواہ مخواہ تنگ کرنے کا فائدہ۔ اوور''...... جولیا کو غصہ آ گیا۔

''اچھا۔ اچھا۔ غصہ نہ کرو مس جولیانا فٹز واٹر۔ ویسے یہ فٹز واٹر بھی عجیب چغد نام ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے آدمی سوڈا واٹر پی رہا ہو۔ اوور''...... عمران نے کہا۔

''میں ٹرانسمیٹر بند کر رہی ہوں۔ اوور''...... جولیا نے شدید غصے

میں کہا۔

''ارے ارے سنو۔ تو اچھا بھئی کام کی بات سنو۔ صفدر کو کہہ دو کہ ایک گھنٹے بعد میک اپ میں بمعہ ریوالور کے مجھے شیریں چوک میں ملے بس۔ اب تو خوش ہو گئیں۔ اوور اینڈ آل''...... عمران نے کہا اور ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔ اسے علم تھا کہ اگر ٹرانسمیٹر فوری بند نہ کیا تو جولیا سوالات پوچھ پوچھ کر ناک میں دم کر دے گی پھر اس نے ٹرانسمیٹر جیب میں ڈال لیا۔

''جوزف دی گریٹ''...... عمران نے بلند آواز میں کہا تو چند لمحے بعد جوزف حاضر تھا۔

''یس باس۔ میرے لائق کوئی خدمت''...... جوزف نے اٹن شن ہو کر کہا۔

''جی خوش کر دیا تمہاری سعادت مندی نے۔ اگر شراب نہ پیئے تو آدمی کھرا ہے''...... عمران نے خوش ہو کر چہکتے ہوئے کہا۔

''باس۔ مجھے شراب سے منع نہ کیا کرو''...... جوزف نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''اچھا اچھا۔ ایسا کرو، تیار ہو کر آؤ ذرا ہم نے جنگل کی سیر کو جانا ہے''...... عمران نے بڑی لاپرواہی سے کہا۔

''کیا پھر شیر سے کشتی لڑنے کا ارادہ ہے باس''...... جوزف نے معنی خیز انداز میں سوال کیا۔

''ہاں۔ اب کی بار تمہارا دنگل کراؤں گا''...... عمران نے کہا

''میں تیار ہوں باس۔ شیر میرے سامنے کیا چیز ہے''۔ جوزف نے کہا۔

''میں تو گیدڑ سے بھی نہیں ڈرتا''...... عمران نے فقرہ مکمل کر دیا۔

''ہی ہی ہی''...... جوزف کا زور دار قہقہہ بلند ہوا۔

''اچھا۔ اب ہنسی منسوخ۔ جا کر تیار ہو جاؤ۔ دو منٹ میں''۔ عمران نے سنجیدگی سے کہا اور جوزف واپس مڑ گیا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں جیپ میں بیٹھے ہوئے شیریں چوک کی طرف جا رہے تھے۔ جیپ عمران چلا رہا تھا۔ دور سے اس نے صفدر کو پہچان لیا۔ وہ ایک سٹال پر کھڑا اخبار پڑھ رہا تھا گو اس نے اپنی طرف سے کافی کامیاب میک اپ کیا ہوا تھا لیکن عمران کی نظروں سے بھلا کیسے چھپ سکتا تھا۔

عمران نے جیپ اس کے قریب جا کر روک دی۔

''جوزف۔ ذرا اس آدمی کو بلاؤ جو اخبار پڑھ رہا ہے''...... عمران نے جوزف سے کہا۔

جوزف پھرتی سے نیچے اتر گیا ویسے جوزف نے صفدر کو ہرگز نہیں پہچانا تھا۔

''مسٹر''...... جوزف کرخت آواز میں صفدر سے مخاطب ہوا۔

''کیا ہے''...... صفدر جھٹکے سے مڑا اور پھر وہ جوزف کو پہچان گیا۔

"آپ کو باس بلا رہے ہیں"...... جوزف نے اسی لہجے میں کہا۔

"یہ کون سی چڑیا کا نام ہے مسٹر جوزف"...... صفدر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ہائیں۔ تم میرا نام بھی جانتے ہو اور پھر باس کو چڑیا بھی کہہ رہے ہو"...... جوزف اسی طرح حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا جیسے اسے صفدر کی دماغی صحت پر شک کر رہا ہو۔

"مجھے صفدر کہتے ہیں"...... صفدر نے اپنا تعارف کرا دیا۔

"اوہو۔ اچھا اچھا تو بات یہ ہے"...... جوزف نے اطمینان کا سانس لیا اور پھر دونوں عمران کے پاس پہنچ گئے۔

"بیٹھ جاؤ"...... عمران نے کہا اور پھر دونوں جیپ میں سوار ہو گئے۔ جیپ دوبارہ مختلف سڑکوں پر تیزی سے دوڑنے لگی۔

"عمران صاحب۔ ہم کہاں جا رہے ہیں"...... صفدر سے آخر رہا نہ گیا۔

"جنگل کی سیر کرنے"...... عمران نے مختصر جواب دیا۔

"سیر کرنے اور وہ بھی جنگل میں"...... صفدر حیرت سے بولا۔

"تمہیں کوئی اعتراض ہے"...... عمران نے پوچھا۔

"نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ جنگل ہی میں کیا میں تو چاند پر بھی جا سکتا ہوں"...... صفدر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ فی الحال صرف جنگل ہی پروگرام میں شامل ہے"۔ عمران نے کہا اور پھر ان کی جیپ جنگل میں دوڑنے لگی۔

"صفدر"...... عمران نے سنجیدگی سے کہا۔

"جی"...... صفدر نے بھی عمران کو سنجیدہ دیکھ کر سنجیدگی اختیار کر لی اور پھر اس نے صفدر کو جنگل میں موجود اڈے کے متعلق بتایا۔ میں نے اب یہ سوچا ہے کہ مجرموں کا مقصد معلوم کرنے کے لئے براہ راست اقدام کیا جائے اس لئے اب ہم جا رہے ہیں۔ ہمارا مقصد کسی نہ کسی طرح ان کے اڈے میں داخل ہونا ہے چاہے قید ہو کر ہی کیوں نہ جانا پڑے"۔

"ٹھیک ہے"...... صفدر نے جواب دیا۔ اس دوران جیب اس علاقے میں پہنچ چکی تھی جو خطرناک تھا۔ عمران نے جیپ روکنے کی بجائے آگے لیتا چلا گیا۔

"جوزف۔ تم جگہ کے متعلق بتاؤ جہاں اڈے کا دروازہ ہے"۔ عمران نے جوزف سے کہا۔

"باس۔ آگے جا کر بائیں ہاتھ مڑ جاؤ"...... جوزف نے راستہ بتلانا شروع کر دیا اور پھر ان کی جیپ اس درخت کے قریب جا کر رک گئی۔

"کیا باہر نکلا جائے"...... صفدر نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں ورنہ وہ ہم پر اپنا مخصوص ہتھیار چلا دیں گے"۔ عمران نے جواب دیا۔

چند ہی منٹ بعد اچانک عمران کی کنپٹی سے رائفل کی نال آ لگی۔ ادھر جوزف کے ساتھ بھی یہی حشر ہوا۔ یہ آدمی جیب کے پیچھے

سے آئے تھے۔ وہ تعداد میں چھ تھے۔

''باہر نکلو''...... ان میں سے ایک نے سختی سے کہا اور عمران خاموشی سے باہر نکل آیا۔ عمران کو باہر نکلتا دیکھ کر صفدر اور جوزف بھی باہر نکل آئے۔ ان کی جیبوں کی تلاشی لے کر ریوالور نکال لئے گئے۔

''آپ کون ہیں''...... ان میں سے ایک نے بڑے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

''تمہارا باس کون ہے''...... عمران نے سنجیدگی سے پوچھا۔ اس کے لہجے میں وقار تھا۔

''تم پہلے اپنے متعلق بتلاؤ''...... مخاطب نے اصرار کیا۔

''ہم مرکزی انٹیلی جنس سے تعلق رکھتے ہیں''...... عمران نے بڑے وقار سے جواب دیا۔ صفدر حیرت سے عمران کی طرف دیکھنے لگا۔

''اوہ''...... اسی لیڈر نے کہا پھر کچھ سوچ کر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک مشین جو یقیناً ٹرانسمیٹر تھا نکال کر اس سے کسی کو کال کرنا شروع کر دیا۔ جلد ہی سلسلہ مل گیا۔ گفتگو چونکہ کوڈ ورڈز میں کی جا رہی تھی اس لئے عمران وغیرہ سمجھ نہ سکے۔ چند لمحے گفتگو کرنے کے اس نے ٹرانسمیٹر جیب میں ڈال دیا۔

''چلیئے''۔ اب اس کی آواز میں نرمی تھی۔ ساتھ ہی اس نے اشارہ کیا اور اس کے ساتھیوں نے ریوالوروں کا رخ نیچے کر لیا۔ صفدر

تو کیا عمران بھی ان کا موجودہ رویہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مجرم انٹیلی جنس والوں سے اس قسم کا سلوک کر رہے ہیں۔ انٹیلی جنس کی بات تو اس نے اس لئے کی تھی تاکہ وہ بحیثیت ان کے سربراہ تک پہنچ جائیں۔ پھر وہاں پہنچ کر جیسے حالات ہوتے ویسے کر لیا جاتا۔ اب تو معاملہ ہی کچھ اور ہو چکا تھا۔ عمران کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ بہرحال اس نے لاپرواہی سے کندھے جھٹکے اور ان کے ساتھ چل دیا۔ وہ درخت کے سامنے پہنچ گئے۔ اسی لیڈر نے تنے پر ہاتھ پھیرا اور درخت کے تنے میں موجود دروازہ کھل گیا۔

''آپ سب لوگ اپنی ڈیوٹی پر واپس جائیں''...... لیڈر نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا اور وہ خاموشی سے واپس مڑ گئے۔

''چلیئے''...... لیڈر نے عمران سے مخاطب ہو کر کہا اور پھر وہ سب دروازے میں داخل ہو گئے۔ وہاں سے سیڑھیاں اتر کر وہ ایک گیلری میں پہنچے اور پھر مختلف برآمدوں میں سے ہوتے ہوئے وہ ایک کمرے کے سامنے جا کر رکے۔ لے جانے والے نے دراوزے پر ہلکی سی دستک دی۔

''کم ان''...... اندر سے آواز آئی اور وہ سب اندر داخل ہو گئے۔ یہ ایک باقاعدہ آفس تھا۔

آفس ٹیبل کے پیچھے مرزا اشفاق احمد موجود تھا۔ اس نے اعلیٰ درجے کا لباس پہنا ہوا تھا اور اس سے ایک پُر وقار اور ذہین نوجوان معلوم ہو رہا تھا۔

’’تشریف رکھیئے‘‘...... نوجوان نے بڑی شائستگی سے کھڑے ہو کر انہیں تعظیم دی۔ عمران، صفدر اور جوزف اس کے سامنے رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

’’مجھے میجر اشفاق کہتے ہیں‘‘...... اس نے اپنا تعارف کرایا۔

’’میرا نام علی عمران ہے۔ یہ میرے ساتھی جوزف اور صفدر ہیں‘‘۔ عمران نے اپنا صحیح تعارف کرایا۔

صفدر کو وہاں بھی حیرت کا مزید جھٹکا لگا۔ وہ سوچ کر کچھ اور آئے تھے اور اول تو معاملہ ہی الٹ ہو گیا تھا اور دوسرے نام بھی عمران نے صحیح بتا دیئے۔

’’آپ ٹھنڈا پئیں گے یا گرم‘‘...... میجر اشفاق نے ان سے پوچھا۔

’’چائے پلوا دیجئے‘‘...... عمران پر اب بھی سنجیدگی کا بھوت سوار تھا۔

’’کیا میں آپ کے شناختی کارڈ دیکھ سکتا ہوں‘‘...... میجر نے عمران کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

’’آپ دیکھ سکتے ہیں یقیناً لیکن پہلے یہ بتائیے کہ یہ چکر کیا ہے۔ آپ کس پوزیشن میں یہاں موجود ہیں‘‘...... عمران نے جواب دیا۔

’’یہ سب کچھ میں بعد میں تفصیل سے آپ کو بتلا دوں گا۔ فی الحال آپ اپنی شناخت کرائیے‘‘...... میجر نے سنجیدگی سے کہا۔

عمران نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پرس نکالا اور پھر اس میں سے ایک کارڈ نکال کر میجر کے آگے رکھ دیا۔ میجر نے کارڈ اٹھا کر اسے بغور دیکھا۔

صفدر یہ تمام کارروائی حیرت سے دیکھ رہا تھا لیکن خاموش رہا۔ کارڈ میں عمران کو باقاعدہ انٹیلی جنس کا آفیسر ظاہر کیا گیا تھا اور تمام سرکاری مہریں موجود تھیں۔ میجر کافی دیر تک بغور کارڈ دیکھتا رہا اور پھر اس نے مسکراتے ہوئے کارڈ واپس کر دیا۔

’’باقی دو حضرات کے کارڈ‘‘...... اس نے صفدر اور جوزف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

’’یہ میرے ساتھی ہیں اور میرے خیال میں یہی کافی ہے‘‘۔ عمران نے وقار سے جواب دیا۔

’’اب آپ اپنے متعلق بتائیے‘‘...... عمران نے کارڈ واپس جیب میں رکھتے ہوئے جواب دیا۔

’’مسٹر عمران۔ یہ ہماری حکومت کا ایک انتہائی خفیہ منصوبہ ہے۔ یہاں ہم دور مار میزائل اسٹیشن بنا رہے ہیں تاکہ ہم اپنے پڑوسی دشمن ملک کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ پڑوسی ملک کے حملے کی صورت میں یہ اڈہ ہماری دفاع کی ایک کڑی ثابت ہو۔ آپ کو یہ تو علم ہے کہ اس جنگل کے ختم ہوتے ہی پڑوسی ملک کی سرحد شروع ہو جاتی ہے اس لئے اس اڈہ کے لئے یہ مقام تجویز کیا گیا ہے‘‘...... یہ کہہ کر اس نے میز کی دراز

سے ایک فائل نکالی اور عمران کے سامنے رکھ دی۔ عمران نے فائل کھول کر دیکھنا شروع کر دیا اور پھر جوں جوں اسے پڑھتا گیا اس کے چہرے پر حیرت کے ساتھ ساتھ اطمینان کے تاثرات ابھرتے چلے گئے۔ فائل میں کمانڈر انچیف' وزیر دفاع' سیکرٹری وزارت دفاع اور خود صدر صاحب کے اتھارٹی لیٹر موجود تھے اور اس خفیہ اڈے کے متعلق تمام تفاصیل موجود تھیں۔ عمران نے اطمینان کا ایک طویل سانس لے کر فائل بند کر دی۔

''ایک چیز سمجھ میں نہیں آتی میجر صاحب''...... عمران نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''فرمایئے''...... میجر نے خوش اخلاقی سے جواب دیا۔

''یہاں اوپر شکاریوں کو کیوں قتل کیا جا رہا ہے''...... عمران نے پوچھا۔

''دراصل مقصد یہ ہے کہ ہم اس اڈے کو انتہائی خفیہ رکھنا چاہتے ہیں تاکہ پڑوسی ملک کے جاسوسوں کو اس کی بھنک نہ ملے ورنہ تمام منصوبہ ختم ہو کر رہ جاتا اس لئے ہمیں شروع شروع میں یہ ظلم بھی کرنا پڑا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس طرح ہم نے اپنے ہی ملک کے چند بے گناہ لوگوں کو ہلاک کیا لیکن اس میں پورے ملک کا مفاد پنہاں تھا۔ اگر ہم ایسا نہ کرتے تو ہمارا یہ منصوبہ نظر میں آ جاتا اس کے علاوہ جب مشینیں چلتی ہیں تو ان کی دھمک اوپر پوری طرح محسوس ہوتی ہے''...... میجر نے کہا۔

''کیا اس کی اجازت لے لی گئی تھی''۔ عمران نے پوچھا۔

''جی ہاں۔ اس کی باقاعدہ حکومت سے اجازت لے لی گئی تھی''۔ میجر نے ایک اور فائل نکال کر عمران کے سامنے رکھ دی۔ عمران نے اسے کھول کر پڑھا۔ واقعی حکومت کی طرف سے اس کی اجازت تحریری صورت میں دی گئی تھی۔

''ایک اور بات یہ ہے کہ چند دنوں پہلے میرے اس ساتھی جوزف کو پکڑ کر یہاں لایا گیا اور اسے شدید زدو کوب کیا گیا اور یہاں مخصوص قسم کے کوڈورڈز مخصوص حالات میں استعمال کئے گئے...... عمران نے کہا۔

دراصل بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ دشمن جاسوسوں کے لئے کیا گیا تھا۔ ہم نے جوزف صاحب کو بھی غیر ملکی جاسوس سمجھا کیونکہ ان کی قومیت بھی بہرحال یہاں کی نہیں ہے''...... میجر نے دلیل پیش کی۔

''کیا نواب صاحب سے بھی یہ منصوبہ خفیہ رکھا گیا ہے''۔ عمران نے پوچھا۔

''جی ہاں۔ یہ حکومت کی ہی پالیسی ہے''...... میجر نے جواب دیا۔

''کیا آپ مجھے اڈہ دیکھنے کی اجازت دیں گے''...... عمران نے سوال کیا۔

''سوری سر۔ اس کا مجھے اختیار نہیں ویسے بھی اڈہ ابھی زیر تعمیر

ہے۔ میں نے یہ تمام تفاصیل بھی اپنی ذمہ داری پر آپ کو دکھائی ہیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ انٹیلی جنس کے آفیسر ہیں۔ آپ کو یہ سب کچھ بتانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ اس معاملے میں زیادہ بھاگ دوڑ نہ کریں اور نہ الجھن کا شکار ہوں''...... میجر نے کہا۔

''ٹھیک ہے''...... عمران نے جواب دیا۔

اتنے میں چائے آ گئی اور وہ سب چائے پینے میں مصروف ہو گئے۔ چائے پینے کے بعد عمران نے اجازت چاہی اور پھر وہ اسی آدمی کی رہنمائی میں واپس اپنی جیپ تک پہنچ گئے۔ عمران نے جیپ اسٹارٹ کی اور جیپ جنگل میں دوڑنے لگی۔ عمران اس وقت بڑی گہری سوچ میں غرق تھا۔

''عمران صاحب۔ یہ تو معاملہ ہی چوپٹ ہو گیا''...... صفدر پہلی بار بولا۔

''ہاں صفدر۔ ہے تو ایسا ہی''...... عمران نے مبہم سا جواب دیا۔

''تو پھر ایکسٹو نے ہمیں یہاں کیوں بھیجا ہے۔ کیا یہ منصوبہ ایکسٹو کے علم میں نہیں تھا۔ دوسرے یہ دس کروڑ میں دو شیطانوں کا چکر سمجھ میں نہیں آتا''...... صفدر نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یہی تو ایک الجھن ہے۔ ویسے میرا دل کہہ رہا ہے کہ ہمیں احمق بنایا گیا ہے۔ معاملہ کچھ اور ہے''...... عمران نے سنجیدگی سے کہا۔

''لیکن وہ دستاویزی ثبوت اور ان کا اخلاق اور ہمارے ساتھ رویہ''...... صفدر نے کہا۔

''یہی تو مسئلہ ہے۔ بہرحال میں اس سلسلے میں ایکسٹو سے آج

ہی بات کروں گا کہ وہ وزارت دفاع سے اس خفیہ فوجی اڈہ کے بارے میں تصدیق کرے۔ رپورٹ کے بعد جیسا ہو گا دیکھا جائے گا۔ ہمیں ہر وقت ہر گھڑی چوکنا رہنا ہو گا جہاں تک اس پارٹی کا تعلق ہے جس سے تم ٹکرائے تھے۔ ہو سکتا ہے اس کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اور کوڈ ورڈ کا ملنا اتفاق ہی ہو۔ بہرحال ابھی اس بارے میں صحیح طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا''...... عمران نے جواب دیا۔

پھر عمران نے جیپ کی رفتار بڑھا دی۔ وہ جلد از جلد محل پہنچ جانا چاہتا تھا تاکہ اس سلسلے میں فوری طور پر سر سلطان سے رابطہ قائم کر سکے۔ عمران کو سنجیدہ دیکھ کر صفدر بھی خاموش رہا۔ جلد ہی جیپ شہر میں داخل ہو گئی۔ عمران نے جیپ سن رائز ہوٹل کے سامنے روک دی۔

''صفدر۔ تم جاؤ، میں کل تم لوگوں سے ملوں گا''...... عمران نے کہا اور صفدر اتر کر ہوٹل میں چلا گیا اور عمران نے جیپ آگے بڑھا دی۔

''تو معاملہ ٹائیں ٹائیں فش ہو گیا''...... کیپٹن شکیل نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ٹائیں ٹائیں فش نہیں۔ ٹائیں ٹائیں پیرٹ کہو۔ کیونکہ فش (مچھلی) تو ٹائیں ٹائیں نہیں کر سکتی۔ پیرٹ (طوطا) ہی ٹائیں ٹائیں کرتا ہے''۔ عمران نے جواب دیا اور جولیا اور صفدر دونوں ہنس پڑے۔

''عمران صاحب۔ محاوروں کی مٹی پلید کرنا کوئی آپ سے سیکھے''۔ کیپٹن شکیل نے ہنستے ہوئے کہا۔

''مٹی کا پلید ہونا میری سمجھ میں نہیں آتا۔ ہر کوئی مٹی پلید کرنا ہی کہتا ہے۔ مٹی پاک کرنا کوئی نہیں کہتا''...... عمران نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

وہ سب سن رائز ہوٹل کے ہال میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عمران

نے انہیں بتایا کہ ایکسٹو نے تصدیق کر لی ہے کہ میجر بالکل صحیح کہہ رہا ہے۔

"یہ بھی محاورہ ہے عمران صاحب"...... صفدر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ویسے یہ کیس بھی زندگی بھر یاد رہے گا۔ اب تک تو آخر میں مجرموں کو پکڑ کر خوش ہوا کرتے تھے۔ اب خود شرمندہ ہونا پڑا"...... کیپٹن شکیل نے کہا۔

"تو اب کیا واپس دارالحکومت چلیں"...... جولیا نے بیزاری سے کہا۔

"تو اور کیا زندگی بھر یہیں ڈیرے ڈالنے کا ارادہ ہے"۔ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن عمران صاحب۔ وہ پارٹی جس سے ہم ٹکرائے تھے اس کا کیا بنے گا"...... صفدر نے سوال کیا۔

"شیطان تو وہ بن ہی چکے ہیں اب انہوں نے اور کیا بننا ہے"۔ عمران نے جواب دیا۔

اچانک صفدر ایک شخص کو دیکھ کر بری طرح چونکا وہ شخص ابھی ابھی ہال میں داخل ہوا تھا۔

"کون ہے یہ"...... عمران نے پوچھا۔

"شیطانوں کی پارٹی کا آدمی ہے اسے میں نے اسی کوٹھی میں دیکھا تھا"...... صفدر نے جواب دیا۔

"پھر تو اپنی ہی پارٹی کا ہوا"...... عمران نے جواب دیا۔ اب وہ شخص ایک میز پر بیٹھ چکا تھا۔

"کیا مطلب"...... صفدر نے پوچھا۔

"بھئی ہم سے بڑا شیطان بھی کوئی ہو سکتا ہے"...... عمران نے منہ بنا کر کہا۔

"تم ہو گے شیطان، ہم کیوں ہوتے لگے"...... جولیا نے غصے سے کہا۔ اسے دراصل اس بات پر غصہ آ رہا تھا کہ اس کیس میں اس کی پوزیشن زیرو رہی۔ صفدر اور شکیل نے تو چلو کچھ کام بھی کر لیا۔ وہ تو صرف ہوٹل میں رہنے کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکی تھی۔

"تو تم شیطان نہیں ہو بلکہ تمہیں شیطانی کہنا چاہئے۔ کیوں صفدر۔ شیطان کی مؤنث شیطانی ہی ہو گی نا"۔ عمران نے کہا۔

"شیطانی نہیں بلکہ شیطانیہ کہئے"...... صفدر نے کہا۔

"شٹ اپ"...... جولیا نے غصے سے کہا۔

"آہستہ بولو صفدر۔ کسی پبلشرز نے "شیطانیہ" کا لفظ سن لیا تو اپنے تازہ رومانی ناول کا نام رکھ لے گا کیونکہ ناولوں کی بڑی شارٹیج ہے آج کل"...... عمران نے جولیا کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا اور سب کے ساتھ جولیا بھی کھسیانی ہنسی ہنسنے لگی۔

"آپ نے عمران صاحب اس کوٹھی کا پتا چلایا جس سے ہم فرار ہوئے تھے"...... کیپٹن شکیل نے سوال کیا۔

"کم از کم تم تو فرار نہیں ہوئے تمہیں تو لاد کر لے آیا گیا تھا۔

ویسے وہ کوٹھی خالی پڑی ہے''...... عمران نے جواب دیا۔

''میں صفدر کا بڑا ممنون ہوں۔ اسی کی کوشش سے میری زندگی بچی ہے''...... شکیل نے بڑی طمانیت سے صفدر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ارے چھوڑو دوست۔ اگر میں تمہاری پوزیشن میں ہوتا تو کیا تم وہی نہ کرتے جو میں نے کیا تھا''...... صفدر نے کہا۔

''یقیناً''...... کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

''بس تو پھر ممنونیت کیسی''...... صفدر نے کہا۔

اتنے میں وہ شخص چائے پی کر ہال سے باہر جانے لگا۔

''جولیا۔ تمہارے لئے کام نکل آیا۔ تم اس شخص کا تعاقب کرو۔ یقیناً کوئی نہ کوئی کام تمہیں مل ہی جائے گا''...... عمران نے جولیا سے کہا اور جولیا فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر وہ بھی اس شخص کے پیچھے چلتی ہوئی ہال سے باہر نکل گئی۔

''آپ نے مس جولیا کو کیوں بھیج دیا، میں چلا جاتا''...... صفدر نے پوچھا۔

''اب جولیا یہاں آئی ہے تو کوئی نہ کوئی کام تو کر لے''۔ عمران نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''اچھا۔ اب میں چلتا ہوں''...... تھوڑی دیر بعد عمران نے کہا۔

''دارالحکومت واپسی کب ہو گی''...... صفدر نے پوچھا۔

''فی الحال کوئی پتہ نہیں''...... عمران نے جواب دیا اور پھر وہ

آہستہ سے چلتا ہوا ہال سے باہر نکل آیا۔ باہر نواب صاحب سے حاصل کی ہوئی کار کھڑی تھی۔ وہ کار میں بیٹھ گیا۔ کار تقریباً رینگتی ہوئی کمپاؤنڈ سے باہر نکل آئی۔ سڑک پر آ کر اس کی رفتار تیز ہو گئی۔ اگلے موڑ پر اچانک عمران ایک کار کو دیکھ کر چونکا اور پھر اس نے اپنی کار اس کار کے پیچھے لگا دی۔ اگلی کار کو میجر اشفاق چلا رہا تھا۔ عمران بغیر کسی مقصد کے اس کا تعاقب کرنے لگا۔ مختلف سڑکوں سے ہوتی کار واٹسن کالونی کی ایک کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں چلی گئی۔ عمران نے کار کوٹھی سے کافی فاصلے پر روک دی اور پھر اتر کر ٹہلتا ہوا گیٹ کی طرف بڑھا۔ اس نے گیٹ پر نظر ڈالی لیکن وہاں کوئی نیم پلیٹ موجود نہیں تھی۔ وہ واپس کار تک چلا آیا اور پھر وہ کافی دیر تک کار میں بیٹھا میجر کے باہر نکلنے کا انتظار کرتا رہا لیکن میجر باہر نہیں نکلا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ کوٹھی میں گھس کر دیکھا جائے کہ میجر یہاں کس سے ملنے آیا ہے۔ دراصل وہ ذہنی طور پر ابھی مطمئن نہیں ہوا تھا۔ اس کا ذہن بار بار کہہ رہا تھا کہ معاملہ اتنا سیدھا سادھا نہیں جتنا کہ ظاہر ہوا ہے۔ اسی خلجان کے تحت اس نے میجر کا تعاقب کیا تھا۔ چنانچہ اس نے کوٹھی میں داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اب کار سے اتر کر کوٹھی کی پشت کی طرف جانے لگا اور پھر ایک درخت کے ذریعے وہ بڑی آسانی سے کوٹھی کی دیوار پھاند کر اندر داخل ہو گیا۔ کوٹھی کافی وسیع و عریض تھی۔ وہ سینے کے بل رینگتا ہوا برآمدے تک پہنچ گیا۔ برآمدہ تاریک تھا۔ برآمدے

سے روشنی کی ایک ہلکی سی لکیر باہر آ رہی تھی۔ اس نے کی ہول سے آنکھ لگا دی۔ کمرے میں اس وقت میجر اشفاق موجود تھا۔ میجر کی پشت عمران کی طرف تھی۔ میجر کے سامنے ایک اور دراز قامت لیکن دبلا پتلا آدمی بیٹھا ہوا تھا اور دونوں گفتگو میں مصروف تھے۔ عمران کو خیال آیا کہ کہیں وہی دراز قامت نہ ہو جس کا ذکر صفدر اور کیپٹن شکیل نے کیا تھا۔ اس نے ان کی گفتگو سننے کے لئے کی ہول سے کان لگا دیا۔

''مسٹر طالب۔ گو میں نے انٹیلی جنس کے آدمیوں کو مطمئن کر دیا ہے لیکن پھر بھی تمہیں خیال رکھنا چاہئے۔ مشن بڑا اہم ہے اور ہم مشن کی تکمیل کے قریب ہیں''...... میجر کی آواز سنائی دی۔

''میرے خیال میں تو معاملہ نپٹ ہی گیا۔ ویسے تم ان کا حلیہ بتا دو۔ میں اپنے آدمی ان کے تعاقب میں لگا دوں گا جب تک وہ دارالحکومت واپس نہیں چلے جاتے''...... دوسرے آدمی طالب کی آواز سنائی دی۔

''ارے ان کا لیڈر تو وہی ہے جو نواب صاحب کے ہاں ٹھہرا ہوا ہے''...... میجر نے کہا۔

''اوہ۔ اچھا پھر تو افضل وہاں موجود ہے''...... طالب نے مطمئن انداز میں کہا۔

اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ دراز قامت نے رسیور اٹھا لیا۔

''یس''...... طالب نے کہا۔

''تم اسے لے کر کوٹھی پر آ جاؤ۔ فوراً''...... یہ کہہ کر طالب نے رسیور رکھ دیا۔

''کون تھا''...... میجر نے پوچھا۔

''نمبر الیون تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ ہوٹل سن ریز سے کوئی غیر ملکی لڑکی اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ اس نے اسے بے ہوش کر لیا ہے''...... طالب نے جواب دیا۔

''غیر ملکی لڑکی۔ ارے یہ اسی پارٹی کی نہ ہو جس کے آدمی کو نوشینہ نے اشارہ کیا تھا''...... میجر نے چونکتے ہوئے کہا۔

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ نوشینہ کی موت کے بعد اس پارٹی کا کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ شاید کوئی کلیو مل جائے''۔ طالب نے جواب دیا۔

ادھر عمران غیر ملکی لڑکی کے متعلق سن کر چونکا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ جولیا ہی ہو گی۔ اب وہ کسی محفوظ جگہ پر پہنچنا چاہتا تھا تاکہ جولیا کو چھڑوا سکے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ برآمدے سے ہی اسے سیڑھیاں نظر آ گئیں۔ وہ آہستہ سے سیڑھیاں چڑھنے لگا اور پھر وہ دوسری منزل میں پہنچ گیا۔ یہاں اسے ایک ایسی گیلری مل گئی جس میں پہلی منزل کے تمام کمروں کے روشندان تھے۔ یہ ایک انتہائی محفوظ جگہ تھی۔ دو روشندان روشن تھے۔ وہ یقیناً اسی کمرے میں ہوں گے۔ وہ ایک روشندان کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ اس نے

آہستہ سے روشن دان کو دبایا اور روشندان ذرا سا کھل گیا۔ یہ واقعی وہی کمرہ تھا۔ اس نے غیر محسوس طریقے سے روشندان کو کافی کھول لیا تھا۔ اب وہ آسانی سے کمرے میں دیکھ بھی سکتا تھا اور ان کی گفتگو کو سن بھی سکتا تھا۔ دونوں خاموش بیٹھے کچھ سوچ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ پھر وہی شخص جو انہیں ہوٹل میں ملا تھا بے ہوش جولیا کو کاندھے پر لادے اندر داخل ہوا۔

''نمبر الیون۔ اس لڑکی کو سامنے والی کرسی پر بٹھا کر اچھی طرح باندھ دو''...... طالب نے اس کو حکم دیا اور اس نے حکم کی تعمیل کی۔

''اسے ہوش میں لاؤ''...... طالب نے کہا اور نمبر الیون نے میز سے پانی کا گلاس اٹھا کر جولیا کے منہ پر چھینٹے مارنے شروع کر دیئے۔ چند ہی لمحوں میں جولیا ہوش میں آ گئی۔ ہوش میں آنے کے بعد وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی جیسے سوچ ہی ہو کہ وہاں کیسے آ گئی ہے۔ طالب اور میجر اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

''تم کون ہو اور اس کا کیوں تعاقب کر رہی تھیں''...... طالب نے بڑے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

''تعاقب۔ کیا تمہارا دماغ خراب ہے۔ میں کیوں اس کا تعاقب کرتی اور تم نے مجھے باندھ کیوں رکھا ہے''...... جولیا بڑی اچھی اداکاری کر رہی تھی۔

''سیدھی طرح بتا دو لڑکی ورنہ خیال رہے مجھے عورتوں پر تشدد کرتے ہوئے قطعی رحم نہیں آتا''...... طالب کی آواز میں بے انتہا

سختی تھی۔

''ایک بار کہا تو ہے کہ میں کوئی تعاقب نہیں کر رہی تھی۔ چھوڑو مجھے''...... جولیا نے غصے سے جواب دیا۔

''نمبر الیون''...... طالب نے اسی شخص سے مخاطب ہو کر کہا جو جولیا کو لے کر آیا تھا۔

''یس سر''...... نمبر الیون نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''چاقو لے آؤ''...... طالب نے کہا۔

''میرے پاس موجود ہے''...... نمبر الیون نے جیب سے ایک بڑا سا چاقو نکال کر کھول لیا۔

''اس کی ناک کاٹ دو''...... طالب نے بے رحمی سے کہا اور نمبر الیون چاقو لے کر جولیا کی طرف بڑھا۔ عمران نے جیب سے ریوالور نکال لیا۔

''ٹھہرو۔ میں پوچھتا ہوں''...... میجر نے نمبر الیون کو روکتے ہوئے کہا۔ نمبر الیون رک گیا۔

''بتاؤ لڑکی۔ تم کون ہو اور کس لئے اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ اگر تم سچ سچ بتا دو تو میں تمہیں بچا لوں گا ورنہ یہ سخت بے رحم واقع ہوئے ہیں''...... میجر کی آواز میں بڑی مٹھاس تھی۔

''یہ حقیقت ہے کہ میں کچھ نہیں جانتی۔ آپ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے''...... جولیا اپنی بات پر اڑی رہی۔

''نمبر الیون، جو تمہیں کہا گیا ہے کرو۔ یہ ایسے نہیں مانے گی''۔

طالب نے کہا اور نمبر الیون ایک بار پھر جولیا کی طرف بڑھا۔

"دھیان رکھو۔ کہیں یہ بھی نوشینہ کی طرح نہ مر جائے"...... میجر نے طالب سے مخاطب ہو کر کہا۔

"نہیں۔ میں اسے مرنے نہیں دوں گا"...... طالب نے جواب دیا۔ اتنے میں نمبر الیون کے بھیانک چاقو کی نوک جولیا کی آنکھ کے قریب پہنچ گئی۔ جولیا کا رنگ فق ہو گیا۔

"نکال دو آنکھ"...... طالب نے کہا اور نمبر الیون کا ہاتھ اٹھا۔

"ٹھہرو۔ ٹھہرو"...... جولیا ہذیانی انداز میں چیخی۔ نمبر الیون رک گیا۔

"تم لوگ کیا پوچھنا چاہتے ہو"...... جولیا نے کہا۔

"تمہارا نام کیا ہے"...... طالب نے سوال کیا۔

"صوفیہ"...... جولیا نے جواب دیا۔

"رہائش"...... طالب نے کہا۔

"سن رائز ہوٹل میں"...... جولیا نے جواب دیا۔

"دارالحکومت سے آئی ہو"...... طالب نے پوچھا۔

"ہاں"...... جولیا نے مختصر جواب دیا۔

"اس کا تعاقب کیوں کر رہی تھیں"...... طالب نے سوال کیا۔

لیکن جولیا خاموش رہی۔

"بتاؤ"...... طالب دھاڑا۔

"مجھے باس نے حکم دیا تھا"...... آخر کار جولیا بولی۔

"تمہارا باس کون ہے"...... طالب کی آواز میں اب قدرے نرمی تھی۔

"میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا، صرف آواز سنی ہے"...... جولیا رک رک کر بتا رہی تھی۔

"کیا نام ہے تمہارے باس کا"...... طالب نے کہا

"زیرو فور"...... جولیا نے جواب دیا۔

"زیرو فور۔ یہ کیا ہوا"...... طالب نے حیرت سے دہرایا۔

"وہ اپنے آپ کو یہی کہہ کر پکارتا ہے"...... جولیا نے جواب دیا۔

"کیا تم جانتی ہو کہ تمہارے باس نے اس کے تعاقب کا حکم کیوں دیا تھا"...... طالب نے پوچھا۔

"نہیں۔ مجھے صرف تعاقب کا حکم ملا تھا"...... جولیا نے جواب دیا۔

"تم باس کو رپورٹ کیسے دیتیں"...... طالب نے کہا۔

"وہ خود فون کر کے پوچھ لیتا"...... جولیا بڑی اچھی جا رہی تھی۔

"ہوں۔ تم کب سے یہاں موجود ہو"...... طالب نے کہا۔

"ایک ہفتے سے"...... جولیا نے جواب دیا۔

"اب تک تم نے اور کیا کام کئے ہیں"...... طالب نے کہا۔

"کچھ نہیں پہلا کام یہی تعاقب تھا"...... جولیا نے کہا۔

"تمہارے ساتھ اور کتنے آدمی آئے ہوئے ہیں"...... طالب

نے سوال کیا۔

''مجھے علم نہیں''...... جولیا نے جواب دیا۔

''تم سچ کہہ رہی ہو''...... طالب نے پوچھا۔

''بالکل''...... جولیا نے اعتماد سے کہا۔

''نمبر الیون۔ اسے بے ہوش کر کے کسی چوک میں ڈال آؤ۔ یہ ہمارے کام کی نہیں ہے''...... طالب نے اچانک نمبر الیون کو حکم دیا اور نمبر الیون نے پھرتی سے جیب سے ریوالور نکال کر اس کا دستہ جولیا کے سر پر رسید کر دیا۔ جولیا کا سر لٹک گیا۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

''میرے خیال میں یہ جھوٹ بول رہی ہے۔ یہ اپنے باس کو جانتی ہے۔ اب یہ ہوش میں آ کر سیدھی وہیں جائے گی۔ میں نمبر الیون کو اس کے تعاقب میں بھیج دیتا ہوں۔ ہمیں اس کے باس کا پتہ چل جائے تو پھر معاملہ آگے بڑھے گا''...... طالب نے میجر سے مخاطب ہو کر کہا۔

''ہاں۔ یہ تو ٹھیک ہے۔ اس طرح ہم بڑی آسانی سے سرغنہ تک پہنچ سکتے ہیں لیکن نمبر الیون میک اپ کر لے تاکہ یہ اسے پہچان نہ لے''...... میجر نے کہا۔

''نمبر الیون۔ تم میک اپ کر کے اس لڑکی کو کہیں دور ڈال دو اور پھر جب اسے ہوش آ جائے تو اس کا تعاقب کرو اور مجھے رپورٹ دو''...... طالب نے کہا۔

''او کے سر''...... نمبر الیون نے کہا اور پھر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ شاید وہ میک اپ کرنے گیا تھا۔

''اچھا طالب میں چلتا ہوں۔ کسی خاص بات کا علم ہو تو مجھے ضرور بتانا''...... میجر نے کہا۔

''او کے''...... طالب نے کہا اور پھر اس سے ہاتھ ملا کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

اب عمران کا وہاں رکنا بے کار تھا چنانچہ وہ بڑی آہستگی سے سیڑھیوں سے اترتا ہوا برآمدے میں آیا اور پھر چند لمحوں بعد وہ پچھلی دیوار سے چھلانگ لگا کر اپنی کار کی طرف جا رہا تھا پھر اس کی کار سن رائز ہوٹل کی طرف دوڑنے لگی۔ سن رائز ہوٹل پہنچ کر وہ سیدھا صفدر کے کمرے میں پہنچا۔

''صفدر، جولیا واپس پہنچے تو تم دونوں اس سے قطعی شناسائی ظاہر نہ ہونے دینا اور جولیا کو بھی فون پر بتا دینا کہ وہ تم لوگوں سے علیحدہ رہے۔ باقی بات چیت وہ ٹرانسمیٹر پر مجھ سے کر لے گی''۔ عمران نے اسے ہدایات دیں۔

''مگر بات کیا ہے''...... صفدر نے حیرت سے پوچھا۔

''جولیا مجرموں کی نظر میں آ گئی ہے''...... عمران نے مختصر سا جواب دیا۔

''مجرم''...... صفدر نے حیرت سے کہا۔

''ہاں۔ صفدر۔ معاملہ واقعی کچھ گڑبڑ ہے۔ ابھی ہمیں یہیں رکنا

ہوگا''...... عمران نے مبہم سا جواب دیا اور پھر اس سے پہلے کہ صفدر کوئی اور سوال کرتا، عمران تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ صفدر آنکھیں پھاڑے رہ گیا۔ آج کل عمران کی غیر معمولی سنجیدگی اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

رات کے دو بجے تھے۔ جنگل میں بھیانک سکوت طاری تھا۔ کبھی کبھار دور سے کسی شیر کی دھاڑ اس خاموشی کے طلسم کو درہم برہم کر دیتی پھر وہی اعصاب شکن خاموشی طاری ہو جاتی۔ عمران سیاہ کپڑوں میں ملبوس بڑے محتاط انداز میں جنگل میں چلا جا رہا تھا۔ وہ بار بار رک کر چاروں طرف دیکھتا اور پھر آگے بڑھنے لگا۔ جنگل میں کافی دور بڑھ آنے کے بعد اب وہ اور بھی زیادہ محتاط ہو گیا کیونکہ اس کے خیال کے مطابق ڈینجر زون شروع ہو گیا تھا۔ ایک درخت کے قریب پہنچ کر اسے خطرے کا احساس ہونے لگا۔ وہ اس درخت کے تنے سے چمٹ گیا۔ اندھیرے میں کافی دور چلنے کے بعد اب اس کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو گئی تھیں۔ وہ اور بھی غور اور توجہ سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا پھر اس نے اپنے سے تقریباً چار درخت آگے ایک سیاہ پوش کو درخت پر بیٹھا

دیکھ لیا۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا کہ وہ بروقت سنبھل گیا تھا ورنہ بے خبری میں مارا جاتا۔ ان کی گردنیں کاٹنے والی مشینیں واقعی خطرناک تھیں اور پھر اندھیرے کے تیر کو کون روک سکتا ہے۔ وہ زمین پر لیٹ کر رینگنے لگا۔ ویسے اسے سانپ اور دیگر زہریلے حشرات الارض کا بھی خطرہ تھا لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا۔ وہ متواتر رینگتا رہا۔ اس کے رینگنے کی رفتار انتہائی سست تھی۔ حد سے زیادہ سست۔ اب وہ اس درخت سے پہلے درخت کے نیچے پہنچ گیا۔ وہ چند لمحے تک وہیں پڑا ماحول کا اندازہ کرتا رہا پھر اس نے جیب سے ایک چھوٹا سا پستول نما آلہ نکالا اور سامنے کے رخ اس کی نال کر کے ٹریگر دبا دیا۔ ایک لمحے بعد اس سے تقریباً سو گز دور جھاڑیوں میں سرسراہٹ ہوئی جیسے کوئی چیز آہستہ سے گزری ہو۔ اس ہتھیار کا کمال تھا کہ اس سے خاص قسم کا راکٹ نکلتا تھا جو سو گز دور زمین پر تقریباً چھ سات فٹ گھسٹتا تھا کہ سننے والے کو یہی اندازہ ہوتا کہ وہاں سے کوئی چیز گزری ہے۔ یہ ہتھیار عمران کی ہی ایجاد تھی اور وہ ہی اس سے کافی کام لیتا تھا جس جگہ سرسراہٹ ہوئی ایک لمحے بعد وہاں زوں زوں کی آوازیں آنے لگیں۔ چند لمحے بعد اچانک ایک درخت سے آواز آئی۔

''نمبر سکس۔ لائٹ ڈالو۔ یہ شاید گیدڑ کی آواز تھی''...... ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

اور پھر وہاں ٹارچ کی روشنی پڑنے لگی لیکن وہاں کچھ ہوتا تو ملتا

لیکن عمران کا مقصد حل ہو گیا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ان کا لیڈر کس درخت پر ہے۔ اب اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ لیڈر کہاں ہے۔ لائٹ بجھ گئی۔

''کوئی بھی نہیں ہے نمبر ٹو''...... جس درخت سے ٹارچ جلائی گئی تھی، وہاں سے آواز آئی۔

''ٹھہرو۔ میں خود اتر کر وہاں دیکھتا ہوں۔ مشین فائر نہ کرنا اور ٹارچ جلائے رکھو''...... لیڈر کی دوبارہ آواز آئی۔ ٹارچ دوبارہ جلنے لگی۔ ٹارچ کافی سے زیادہ طاقتور تھی۔ لائٹ کے سرکل میں ہر چیز صاف اور روشن نظر آ رہی تھی۔ عمران نے جس درخت کا اندازہ لگایا تھا وہ صحیح نکلا۔ ان کا لیڈر وہیں سے اترا اور پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا لائٹ سپاٹ کی طرف بڑھا۔ لائٹ سپاٹ میں آ کر اچانک وہ رک گیا۔ نجانے کیسے اس کا نقاب کھل کر نیچے گر پڑا تھا۔ شاید مضبوطی سے نہ بندھا ہو گا۔ اس نے نیچے جھک کر نقاب اٹھایا اور پھر وہیں کھڑے ہوئے دوبارہ منہ پر لگانے لگا لیکن عمران کے ذہن میں اس کے چہرے کے تمام خطوط نقش ہو چکے تھے۔ قدرت اس پر مہربان تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اچانک اس طرح لیڈر کا چہرہ سامنے آ جائے گا۔ لیڈر یعنی نمبر ٹو کافی دیر تک وہاں ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر واپس اپنے مقام کی طرف مڑ گیا۔

''ٹارچ بجھا دو، کچھ نہیں ہے، کوئی سانپ وغیرہ ہو گا نکل گیا''۔

اس نے جاتے جاتے حکم دیا اور پھر وہ واپس اپنے مخصوص درخت

پر چڑھ گیا۔ ٹارچ بجھ گئی۔ اب وہاں دوبارہ گہرا اندھیرا چھا گیا۔
عمران اب واپس رینگنے لگا۔ کافی دور جانے کے بعد وہ مڑا اور پھر
دائیں جانب رینگتا رہا۔ اس طرح کافی دیر تک رینگنے کے بعد وہ
چکر کاٹ کر اپنے اندازے کے مطابق نمبر ٹو والے درخت کے
قریب پہنچ گیا۔ اتنی دیر رینگنے کی وجہ سے اس کی کہنیوں اور گھٹنوں
میں درد ہونے لگا لیکن عمران اس کی کب پرواہ کرتا تھا اور پھر وہ
اس درخت کے نیچے رک گیا۔ وہ اس وقت شدید خطرے میں تھا
کیونکہ کوئی بھی چیک کر لیتا تو گردن کٹ سکتی تھی۔ اس نے ایک
بار پھر جیب سے وہی مخصوص ہتھیار نکالا اور مخالف سمت میں دو فائر
کر دیئے۔ وہی مخصوص سرسراہٹ ہوئی۔ وہ سمجھ گیا کہ سب کی توجہ
انہی سرسراہٹوں والے مقام کی طرف ہوگئی اس لئے وہ تیزی سے
اٹھا اور پھر پھرتی لیکن بے حد احتیاط سے درخت پر چڑھنے لگا۔
چند ہی لمحوں میں وہ کافی اونچا چلا گیا۔ اب اسے درخت پر بیٹھا ہوا
لیڈر صاف نظر آنے لگا۔ لیڈر کا منہ ادھر ہی تھا جدھر سرسراہٹیں
ہوئی تھیں۔ وہ اوپر چڑھتا گیا۔ اب وہ اس کے قریب پہنچ گیا لیکن
بے حد احتیاط کے باوجود نمبر ٹو نے اس کی آہٹ سن لی اور وہ یکدم
چونکا اور عمران کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے یقیناً عمران کی وہاں
موجودگی کا تصور بھی نہ ہوگا اس لئے وہ چند لمحے تک دیکھتا رہ گیا۔
اب عمران کے لئے چھپنا بے کار تھا۔ اس نے تیزی سے جمپ کیا
اور دوسرے لمحے اسی شاخ پر پہنچ گیا اور پھر اس سے پہلے کہ نمبر ٹو

کوئی آواز نکالتا۔ عمران کا ایک بازو اس کی گردن کے گرد حائل ہو
گیا اور دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر مضبوطی سے جم گیا۔ عمران خود
ایک اور شاخ سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ نمبر ٹو نے جدوجہد کرنی
چاہی لیکن عمران جانتا تھا کہ حرکت کرنے سے وہ کہیں نیچے نہ جا
پڑے۔ اس لئے عمران نے گرفت مضبوط کر دی۔ نمبر ٹو ہل بھی نہ
سکا۔ چند لمحوں بعد نمبر ٹو کی گردن ڈھلک گئی۔ سانس بند ہونے کی
وجہ سے وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ اب مسئلہ تھا نمبر ٹو کو ٹھکانے لگانے
کا تھا۔ عمران کا ذہن الجھ کر رہ گیا۔ اسے اس پرابلم کا کوئی حل نظر
نہیں آ رہا تھا۔ اگر وہ نمبر ٹو کو چھوڑتا تو وہ یقیناً نیچے جا گرتا اور پھر
معاملہ خراب ہو جاتا اور پھر اس کی ریڈی میڈ کھوپڑی نے کام دکھایا
اور سارا معاملہ حل ہو گیا۔ اس نے ایک ہاتھ سے نمبر ٹو کو سنبھالے
رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اپنی بیلٹ کھولنی شروع کر دی۔ بیلٹ
کھول کر اس نے بڑی احتیاط سے نمبر ٹو کی گردن کو ایک تنے کے
ساتھ بیلٹ سے کس دیا۔ اب نمبر ٹو گردن کے بل تنے سے لٹکا رہا
تھا۔ وہ دم گھٹنے کی وجہ سے مر بھی سکتا تھا مگر عمران کو اب کیا پرواہ
تھی۔ اس نے نمبر ٹو کا نقاب اتارا اور خود پہن لیا اور اپنا نقاب
اسے پہنا دیا پھر اس نے جیبوں کی تلاشی لی۔ جیب سے ایک عجیب
سی ساخت کا پستول نکلا۔ عمران سمجھ گیا کہ یہ وہی گردنیں کاٹنے والا
آلہ ہوگا۔ اس نے اسے جیب میں رکھ لیا پھر وہ وہیں ایک تنے پر
ٹیک لگا کر سوچنے لگا۔ مسئلہ تھا نمبر ٹو کو ٹھکانے لگانے لگا لیکن کوئی

صورت سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ادھر وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور اسے احساس بھی تھا کہ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے اس کی پوزیشن خراب ہوتی جا رہی ہے۔ صبح ہونے والی تھی اسے جو کچھ بھی کرنا تھا صبح ہونے سے پہلے ہی کرنا تھا۔ اس نے نمبر ٹو کو پکڑ کر بیلٹ کھولنی شروع کر دی۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ نمبر ٹو دم گھٹنے کی وجہ سے مر چکا ہے۔ اس نے بیلٹ واپس بند کر دی۔ اسے ایک خیال آ گیا تھا۔ اس نے نمبر ٹو کی لاش کو ٹٹولا اور پھر نمبر ٹو کی کمر سے بندھی ہوئی بیلٹ بھی کھول لی۔ اس نے اپنی بیلٹ کے کلپ میں دوسری بیلٹ پھنسائی۔ اب بیلٹ ڈبل ہو چکی تھی۔ اس نے نمبر ٹو کی لاش کو کمر پر لادا اور اوپر سے بیلٹ کے ذریعے اپنے جسم سے اچھی طرح کس لیا پھر اس نے جیب سے سرسراہٹوں والا پستول نکالا اور پیچھے کے رخ پر فائر کر دیا۔ مخصوص سرسراہٹ پیدا ہوئی۔

"یہ کیا بات ہے۔ آج یہ کیسی سرسراہٹیں ہیں"...... عمران نے نمبر ٹو کی آواز میں کہا۔

"معلوم نہیں سر کیا معاملہ ہے"...... ایک اور درخت سے آواز آئی۔

"ٹھہرو میں دیکھتا ہوں۔ تم بیٹھے رہو۔ ٹارچ وغیرہ جلانے کی بھی ضرورت نہیں اور نہ ہی مشین فائر کرنا"...... عمران نے کہا۔

"او کے سر"...... جواب آیا۔

دور عمران آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا اور پھر درخت سے اتر کر تیزی سے مخالف سمت چلنے لگا۔ وہ دراصل دوسروں کو یہ موقع بھی نہیں دینا چاہتا تھا کہ وہ غور کریں۔ کافی دور تک چلنے کے بعد جو اس نے محسوس کیا کہ وہ ان لوگوں سے خاصا دور نکل آیا ہے اس نے بیلٹ کھول کر نمبر ٹو کی لاش کو نیچے رکھا اور پھر جیب سے چاقو نکال کر نمبر ٹو کی لاش کے چہرے کو بگاڑنے لگا۔ لاش پر چاقو چلانا خاصا کراہت آمیز کام تھا لیکن بدرجہ مجبوری وہ یہ کام بھی سرانجام دیتا رہا۔ جب اس نے محسوس کیا اب اسے پہچانا نہیں جا سکتا تو اس نے جلدی جلدی اس کے کپڑے اتارے اور اسے ایک گھرے سے گڑھے میں پھینک دیا۔ اس نے یہ سب کام خاصا جلدی میں کیا تھا کیونکہ زیادہ دیر دوسروں کو شک میں بھی مبتلا کر سکتی تھی۔ چاقو اس نے گھاس پر صاف کیا اور بند کر کے جیب میں ڈال لیا۔ اب وہ تیزی سے واپس درخت کی طرف چلا۔

"کوئی بھی نہیں ہے۔ میں اچھی طرح دیکھ آیا ہوں"...... اس نے درخت کے پاس آ کر زور سے کہا اور پھر درخت پر چڑھ گیا۔ اب وہ اطمینان سے درخت پر بیٹھ گیا۔ مقدر نے ساتھ دیا تھا اور سب سے بڑا مسئلہ حل ہو چکا تھا۔ ویسے اب اسے سوچ کر حیرانی ہو رہی تھی کہ یہ سب کچھ بخیر و خوبی کیسے ہو گیا بہرحال چونکہ سب کچھ ہو چکا تھا اس لئے اسے قدرتی طور پر خوشی ہو رہی تھی۔ صبح کے چھ بجے درخت کے تنے والا دروازہ کھلا وہاں سے چھ سات

نقاب پوش باہر نکلے۔ عمران سمجھ گیا کہ ڈیوٹی تبدیل ہونے کا وقت آ گیا ہے چنانچہ وہ درخت کے نیچے اتر آیا اور پھر مختلف درختوں سے چھ سات نقاب پوش اتر آئے۔ آنے والوں میں سے ایک سیدھا عمران کی طرف آیا۔ عمران کے قریب آ کر وہ رک گیا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

”شیطان“۔

عمران ایک لمحے کے لئے جھجکا پھر اس نے اندازے سے جواب دیا۔

”دس کروڑ میں دو شیطان“۔

”او کے ڈیئر“...... اس نے جواب دیا اور عمران اور اس کے ساتھی دروازے میں داخل ہو گئے۔ عمران ایک دفعہ پہلے آ چکا تھا۔ اس لئے وہ بڑے آرام سے گزرتا چلا گیا۔ ایک کمرے کے سامنے وہ رک گیا۔ اس کمرے میں بڑا سا سرخ دو کا ہندسہ پڑا ہوا تھا۔ اس نے سوچا نمبر دو کا یہی کمرہ ہو گا۔ اس نے آہستہ سے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی اور پھر منہ سے نقاب اتارا اور پھر جیب سے میک اپ باکس نکال کر باتھ روم میں گھس گیا۔ نمبر ٹو کا چہرہ اس کے ذہن میں تھا چنانچہ اس نے میک اپ کرنا شروع کر دیا۔ میک اپ چونکہ اس نے اندازے سے کیا تھا اس لئے اسے شک بھی تھا کہ آیا اس نے صحیح میک اپ بھی کیا ہے یا نہیں کیونکہ وہ ذرا سا بھی رسک نہیں لینا چاہتا تھا چنانچہ اس نے کمرے کی تلاشی لینی شروع

کر دی۔ اسے میز کی دراز سے نمبر ٹو کی تصویر مل گئی اور پھر یہ دیکھ کر وہ اپنے ذہن اور یادداشت کی داد دینے لگا کہ اس نے صرف اندازے کی بنا پر اتنا مکمل میک اپ کر لیا۔ اس نے ان کاغذات کو بغور پڑھنا شروع کر دیا جو میز کی دراز سے نکلے تھے۔ ان کاغذات سے اسے علم ہو گیا کہ نمبر ٹو کا اصل نام رابرٹ ہے اور وہ پڑوسی ملک کا رہنے والا ہے۔ یہ ایک اہم انکشاف تھا۔ اب عمران کی سمجھ میں کچھ کچھ سازش آتی جا رہی تھی لیکن یہ صرف اندازے ہی تھے۔

ابھی وہ کاغذات کے مطالعے میں ہی مصروف تھا کہ دروازے پر دستک کی آواز آئی۔ اس نے جلدی سے کاغذات دوبارہ دراز میں ڈالے اور خود اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ ایک نوجوان اندر داخل ہوا۔ اس کا انداز مؤدبانہ تھا۔

”کیا بات ہے“...... عمران نے اس کا انداز محسوس کرتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

”سر۔ آپ کو چیف بلا رہے ہیں۔ مگر۔ مگر“...... اس نے کچھ ہچکچاتے ہوئے کہا۔

”مگر مگر کیا لگا رکھی ہے۔ سیدھی طرح بات کرو“...... عمران نے آنکھیں دکھائیں۔

”سر۔ ابھی تک آپ نے کپڑے بھی نہیں بدلے“...... اس نے آخر کہہ ہی دیا۔

”تم اپنے کام سے کام رکھو“...... عمران نے اسے بری طرح

جھڑک دیا۔

"سوری سر"...... اس نے سر جھکا کر کہا اور پھر وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ عمران نے کپڑوں والی الماری کھولی اسے ایک سوٹ ذرا سا میلا نظر آ گیا کہ یہ ایک دو دن کا پہنا ہوا ہے۔ اس نے پھرتی سے وہی سوٹ پہن لیا اور پھر وہ دروازہ بند کرتے ہوئے گیلری میں چلا گیا۔ اسے یقین تھا کہ چیف وہی میجر اشفاق ہی ہو گا اور اس کا دفتر وہ پہلے دیکھ چکا تھا اس لئے اسے وہاں تک جانے میں کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ وہ دروازے کے پاس پہنچ کر ایک لمحے کے لئے رک گیا۔ اس نے ایک تنقیدی نظر اپنے سراپے پر ڈالی اور پھر مطمئن ہو کر دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

"کم آن"...... اندر سے آواز آئی اور عمران دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ میجر اشفاق میز کے پیچھے موجود تھا۔

"شیطان"...... میجر اشفاق نے بغور اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"دس کروڑ میں دو شیطان"...... عمران نے بلا جھجک جواب دیا اور میجر اشفاق کے چہرے پر قدرے اطمینان کے تاثرات پھیل گئے۔

"بیٹھو"...... میجر اشفاق نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ عمران قدرے مؤدبانہ انداز میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"نمبر ٹو۔ رات کو کوئی خاص بات ہوئی"...... میجر اشفاق کا لہجہ سرد تھا۔

"یس چیف۔ رات تین بار کچھ عجیب قسم کی سرسراہٹیں سنائی دیں جیسے دور کوئی جھاڑیوں میں رینگ رہا ہو لیکن چیکنگ کے باوجود کوئی مشتبہ چیز نظر نہیں آئی"...... عمران نے جواب دیا۔

"تم نے خود چیک کیا"...... میجر اشفاق کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"یس چیف۔ دو بار میں خود چیک کرنے گیا"...... عمران نے جواب دیا لیکن اب اس کے دل میں شک سر ابھارنے لگا کہ ضرور اس کی شخصیت پر شک ہو گیا ہو۔

"آخری بار تم نے کوئی خاص چیز چیک کی"...... میجر اشفاق نے کہا۔

"میں سمجھا نہیں چیف"...... عمران نے حیرت سے پوچھا۔

"جہاں تم آخری بار چیک کرنے گئے وہاں کوئی خاص چیز"۔ میجر اشفاق کا لہجہ انتہائی معنی خیز ہو چکا تھا۔

"نو سر"...... عمران نے جواب دیا۔ لیکن اب وہ پوری طرح چوکنا ہو گیا تھا کیونکہ اسے پورا یقین ہو گیا کہ اصل نمبر ٹو کی لاش مل چکی ہے اور وہ پہچانی جا چکی ہے۔

"ہوں"...... میجر اشفاق نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"سنو۔ ہمیں تم پر مکمل اعتماد ہے کیونکہ تم ہمارے خاص ساتھی ہو لیکن کل رات ڈینجر زون میں کچھ عجیب و غریب کھیل ہوا ہے۔ مجھے رپورٹ ملی ہے کہ ایک جگہ لاش مل ہے۔ لاش پہچانی نہیں جا سکی کیونکہ درندوں نے اسے بری طرح ادھیڑ دیا ہے"...... میجر

اشفاق ایک لمحہ کے لئے رک گیا۔ عمران نے اطمینان کی طویل سانس لی۔

"اس کے علاوہ ڈینجر زون میں مختلف جگہوں پر گھاس پر اس طرح کے نشانات ملے ہیں جیسے وہاں کوئی آدمی کہنیوں کے بل گھسٹتا رہا ہو"...... میجر اشفاق نے دوبارہ کہا۔

"بڑی عجیب و غریب اطلاعات ہیں"...... عمران نے قدرے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز اطلاع یہ ہے کہ یہ نشان اس درخت کے نیچے بھی موجود ہیں جس پر تم موجود تھے"...... میجر اشفاق نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا"...... عمران اچھل پڑا۔ وہ شدید حیرت کی کامیاب اداکاری کر رہا تھا۔

"اب تم کیا کہتے ہو"...... میجر اشفاق نے اس کی حیرت سے قدرے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔

"کمال ہے چیف لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے"...... عمران نے اس طرح پوچھا جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو۔

"یہ ہو چکا ہے مسٹر ٹو۔ مجھے یہ بتائیں کہ ان حالات میں، میں آپ کی پوزیشن کیا سمجھوں"...... میجر اشفاق کے لہجے میں تلخی آ گئی تھی۔

"میں اب کیا کہہ سکتا ہوں"...... عمران نے بے چارگی سے کہا۔

میجر اشفاق چند لمحے تک بغور عمران کو دیکھتا رہا۔

"نمبر ٹو۔ آپ کی پوزیشن مشکوک ہو چکی ہے اس لئے آپ مکمل تحقیقات ہونے تک گیٹ سے باہر نہیں جا سکتے۔ آئندہ سے آپ باہر نگرانی کی بجائے پروڈکشن یونٹ میں کام کریں گے"...... میجر اشفاق نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ بے شک تحقیقات کر لیں"...... عمران نے مختصر سا جواب دیا۔

"میرے ساتھ آؤ"...... میجر اشفاق اٹھ کھڑا ہوا اور پھر میجر اشفاق کے پیچھے وہ کمرے سے باہر نکل آیا۔ مختلف گیلریوں سے نکلنے کے بعد وہ ایک بہت بڑے ہال میں پہنچے جہاں بے شمار عجیب و غریب مشینیں کام میں مصروف تھیں۔ ہر مشین پر آپریٹر موجود تھا۔ عمران مشینوں کو دیکھنے لگا۔ میجر اشفاق ہال سے گزرا تھا اب وہ دونوں ایک دروازے کے سامنے پہنچ گئے۔ دروازے پر موجود چوکیدار نے میجر اشفاق کو دیکھتے ہی پھرتی سے دروازہ کھول دیا اور پھر عمران کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ یہاں ایک بہت بڑا رن وے بنایا گیا تھا اور لطف یہ کہ تمام رن وے زمین دوز تھا لیکن پوری چھت پر کہیں بھی ستون نہیں لگائے گئے تھے۔ رن وے کے اردگرد میزائلز ہینگرز بنے ہوئے تھے۔ دروازے کے قریب ہی ایک عمارت تھی۔ میجر اشفاق اس میں چلا گیا۔ عمران بھی ساتھ تھا۔ وہاں جو آدمی موجود تھے وہ میجر اشفاق کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑے

ہوئے۔

''شیطان''...... میجر اشفاق نے کہا۔

''دس کروڑ میں دو شیطان''...... ان دونوں نے بیک وقت جواب دیا اور عمران دل ہی دل میں مسکرا اٹھا۔

''مسٹر کمار۔ آپریشن کس پوزیشن میں ہے''...... میجر اشفاق نے پوچھا۔

''سر۔ ایک پرسنٹ کام باقی رہ گیا ہے''...... کمار نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا۔

''گراؤنڈ کنٹرول روم اور اس کا خفیہ گیٹ بن چکا ہے''...... میجر اشفاق نے دوسرا سوال کیا۔

''جی ہاں۔ آج یہ دونوں مکمل ہو رہے ہیں''...... کمار نے جواب دیا۔

''دیکھو۔ کام جلد از جلد ختم کرو۔ حالات خراب ہیں پریذیڈنٹ بار بار زور دے رہے ہیں''...... میجر اشفاق نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''ہم اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہے ہیں جناب''...... کمار نے جواب دیا۔

''ہوں۔ دیکھو، کل سے مسٹر رابرٹ آپ کے ساتھ کام کریں گے''...... میجر اشفاق نے کہا۔

''او کے سر مگر''...... کمار نے قدرے جھجکتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ میں نے ان کی ڈیوٹی تبدیل کر دی ہے''...... میجر اشفاق نے کہا۔

''اچھا میں چلتا ہوں۔ مسٹر رابرٹ آپ ان سے اپنی ڈیوٹی کے بارے میں ڈسکس کر لیں۔ کل سے آپ نے یہیں کام کرنا ہے''...... میجر اشفاق نے کہا اور پھر وہ عمارت سے باہر نکل گیا۔

''بیٹھیے مسٹر رابرٹ''...... کمار نے میجر اشفاق کے جانے کے بعد عمران سے مسکراتے ہوئے کہا۔ عمران بیٹھ گیا۔

''آپ کی ڈیوٹی میں تبدیلی کی کیا کوئی خاص وجہ ہے''...... کمار کا ساتھی پہلی بار بولا۔

''نہیں۔ بس چیف کی مرضی ہم تو حکم کے غلام ہیں''...... عمران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔ آپ کل ڈیوٹی پر آ جایئے۔ آپ کنٹرول روم میں کام کریں گے''...... کمار نے کہا۔

''اچھا۔ مجھے اجازت دیجئے۔ اب کچھ سر میں گرانی سی محسوس ہو رہی ہے''...... عمران نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر وہ دونوں سے ہاتھ ملا کر عمارت سے باہر نکل آیا۔

کیپٹن شکیل ٹھیک ہو چکا تھا لیکن کمزوری باقی تھی۔ جولیا جیسے ہی ہوٹل واپس آئی، صفدر نے اسے ٹیلی فون پر عمران کا پیغام دے دیا۔ جولیا نے عمران سے ہدایت لینے کے بعد سب سے پہلا کام یہی کیا کہ اس نے میک اپ کر کے اپنا حلیہ بالکل تبدیل کر لیا۔ اس کے بعد اس نے ٹیلی فون کا رسیور اٹھایا اور نمبر پریس کرنے لگی۔

''ہیلو''...... رابطہ ملنے پر دوسری طرف سے کیپٹن شکیل کی آواز آئی۔

''کیپٹن۔ میں جولیا بول رہی ہوں۔ آپ کی طبیعت اب کیسی ہے''...... جولیا نے کہا۔

''ٹھیک ہوں۔ میرے لائق کوئی کام''...... کیپٹن شکیل نے پوچھا۔

''ہاں۔ آپ کے لئے کام نکل آیا ہے۔ آپ دانش کالونی کی

کوٹھی نمبر 130 میں جائیں وہاں وہی طویل القامت جس سے آپ کا مقابلہ ہوا تھا، آپ نے اس کی جگہ لینی ہے۔ صفدر بھی آپ کے ساتھ جائے گا۔ وہ اس طویل القامت کو اغوا کر کے لے آئے گا۔ میں صفدر کو ہدایات دے دیتی ہوں''...... جولیا نے اسے کام کی نوعیت سے آگاہ کیا۔

''ٹھیک ہے۔ میں ابھی صفدر کے ساتھ چلا جاتا ہوں''۔ کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

''اپنے واچ ٹرانسمیٹر بھی ساتھ لیتے جایئے گا''...... جولیا نے ہدایت کرتے ہوئے کہا اور پھر طویل القامت طالب کے متعلق عمران سے ملی ہوئی معلومات کیپٹن شکیل کو بتا دیں۔

''آپ بے فکر رہیں مس۔ میں طالب کی جگہ بخوبی کام کر لوں گا''...... کیپٹن شکیل نے اسے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

''او کے تھینک یو''...... جولیا نے کہا اور کنکشن کاٹ دیا۔ اب وہ صفدر کو رنگ کر رہی تھی۔

''ہیلو''...... دوسری طرف سے صفدر کی آواز آئی۔

''میں جولیا بول رہی ہوں''...... جولیا نے کہا

''اوہ۔ مس جولیا خیریت ہے''...... صفدر نے کہا۔

''ہاں سب ٹھیک ہے بس تم کام کے لئے تیار ہو جاؤ''...... جولیا نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میں تو ریڈی ہوں مس جولیا''...... صفدر نے کہا۔

''تو مسٹر ایور ریڈی صاحب۔ آپ اور کیپٹن شکیل نے دانش کالونی کی کوٹھی نمبر 130 میں جا کر طویل القامت طالب جو گروہ کا سرغنہ ہے اسے اغوا کرنا ہے کیپٹن شکیل اس کی جگہ لے لے گا اور آپ نے اسے اغوا کر کے نواب صاحب کے محل میں جوزف کے حوالے کر دینا ہے پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ طالب کو وہاں چھوڑ کر آپ کیپٹن شکیل کے ساتھی کی جگہ لے لیں''...... جولیا نے ہدایات دیتے ہوئے کہا

''بس اتنا سا کام ہے''...... صفدر نے پوچھا۔

''ہاں''...... جولیا نے جواب دیا۔

''میرے خیال میں یہ طویل القامت وہی ہے جس سے میرا اور کیپٹن شکیل کا ٹکراؤ ہوا تھا''...... صفدر نے کہا۔

''ہاں''...... جولیا نے مختصر سا جواب دیا۔

''ٹھیک ہے میں تیار ہوں''...... صفدر نے کہا۔

''واچ ٹرانسمیٹر ساتھ لیتے جانا''...... جولیا نے ہدایت کی۔

''اچھا''...... صفدر نے جواب دیا اور جولیا نے رسیور رکھ دیا۔ اس نے فوری طور پر یہ ہوٹل چھوڑ دینا تھا۔ یہ عمران کی ہدایت تھی اس لئے وہ اپنے بیگ میں اپنی ضروری چیزیں ڈالنے لگی۔

عمران نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور پھر وہ باہر نکل آیا۔ گیلری میں مدھم سی روشنی تھی۔ وہ آہستہ سے چلتا ہوا گیلری کراس کرنے لگا۔ مختلف گیلریوں سے گزرنے کے بعد وہ میجر اشفاق کے آفس کے سامنے رک گیا۔ آفس کا دروازہ بند تھا۔ عمران نے جیب سے ایک چھوٹی سی تار نکالی اور پھر وہ تار اس نے لاک میں ڈال دی اور اسے ادھر ادھر مخصوص انداز میں گھمانے لگا۔ ایک لمحے بعد ہلکی سی کٹک کی آواز سے تالا کھل چکا تھا۔ عمران نے تار نکال کر دوبارہ جیب میں ڈال لی اور دروازہ کو آہستہ سے کھول کر اندر چلا گیا۔ اندر جا کر اس نے دروازہ بند کر دیا۔ کمرہ بالکل تاریک تھا۔ اس نے جیب سے ٹارچ نکال کر جلائی اور پہلے ٹارچ کا دائرہ تمام کمرے میں گھمایا۔ ٹارچ نکالنے سے پہلے اس نے جیب سے ایک نقاب نکال کر منہ پر باندھ لیا تھا پھر اپنا اطمینان کر کے وہ سیدھا

آفس ٹیبل کی طرف بڑھا اور پھر اسی تار سے اس نے درازوں کے تالے بھی کھولے۔ اس نے درازوں سے مختلف فائلیں نکال نکال کر دیکھنی شروع کر دیں لیکن کوئی فائل بھی اسے ایسی نہ ملی جسے وہ مشکوک گردان سکتا۔ آخری دراز سے اس نے تمام کاغذات نکالے تو اچانک اس کا ہاتھ دراز کے آخری حصے میں لگا۔ وہاں کونے میں ایک چھوٹا سا ہک محسوس ہوا۔ اس نے ہک پکڑ کر کھینچا تو درازوں کی سائیڈ والی جگہ سے ایک اور خفیہ دراز باہر نکل آئی۔ عمران نے پھرتی سے دراز میں ہاتھ ڈالا۔ دراز میں صرف ایک ہی فائل تھی۔ اس نے فائل کھول کر دیکھنا شروع کر دی۔ جوں جوں وہ فائل پڑھتا گیا اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹتی چلی گئیں۔ یہ ایک بھیانک سازش تھی اور اب وہ تمام سازشوں کو سمجھ چکا تھا۔ اس نے جیب سے ایک چھوٹا سا کیمرہ نکالا اور فائل کے فوٹو کھینچنے شروع کر دیئے مگر دوسرے لمحے کچ کی آواز آئی اور کمرہ روشن ہو گیا۔ عمران اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''ہینڈز اپ''...... ایک گرجدار آواز سنائی دی اور عمران نے دیکھا کہ چار ٹامی گنیں اس کی طرف اٹھی ہوئی ہیں۔ کمرے کے ہر کونے میں ایک ٹامی گن بردار کھڑا تھا۔ عمران نے ہاتھ اٹھا لئے۔ اتنے میں دروازہ کھلا اور میجر اشفاق دو اور آدمیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے عمران کی طرف دیکھا پھر مسکرا دیا۔ اس نے اپنے ایک ساتھی کی طرف اشارہ کیا وہ آگے

بڑھا اور پھر ایک چکر کاٹ کر عمران کے پیچھے آ گیا پھر اس نے عمران کی تلاشی لی اور اس کی جیب سے ریوالور نکال لیا۔

''اس کا نقاب اتار دو''...... میجر اشفاق نے حکم دیا اور اس آدمی نے پھرتی سے عمران کے منہ سے نقاب گھسیٹ لیا۔

''رابرٹ تم''...... میجر اشفاق حیرت سے اچھل پڑا۔ عمران خاموش کھڑا رہا۔

''نہیں۔ تم رابرٹ نہیں ہو سکتے ورنہ تمہیں ہک میں لگے ہوئے الارم کا ضرور علم ہوتا۔ تم ضرور رابرٹ کے میک اپ میں کوئی اور ہو''...... اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''نمبر الیون۔ میک اپ واشنگ سلوشن لاؤ''...... اس نے ایک ساتھی کو حکم دیتے ہوئے کہا اور وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ چند لمحوں بعد وہ سلوشن کی بوتل لے آیا۔

''اسے کرسی سے باندھ دو''...... میجر اشفاق نے حکم دیا۔ عمران ٹامی گنوں کی وجہ سے مجبور تھا۔ ٹامی گنوں کے سامنے وہ اپنا سنگ آرٹ بھی نہیں دکھا سکتا تھا۔ اسے کرسی سے باندھ دیا گیا اور پھر میجر اشفاق کے کہنے پر اس کا منہ اس سلوشن سے دھویا گیا۔

''تم مسٹر علی عمران''...... عمران کا اصل چہرہ دیکھ کر میجر کو ایک اور شاک لگا۔

''ہاں میجر اشفاق۔ یہ میں ہوں''...... عمران نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"مگر نمبر ٹو کہاں ہے"...... اس نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

"پکوڑے لینے گیا ہوا ہے"...... عمران اتنے دنوں کی سنجیدگی کے بعد دوبارہ موڈ میں آ گیا۔

"کیا مطلب"...... غصے سے میجر اشفاق کی آواز پھٹ گئی۔

"ارے تم پکوڑوں کا مطلب بھی نہیں سمجھتے"...... عمران نے حیرت سے بھرپور لہجے میں پوچھا۔

"شٹ اپ"...... میجر اشفاق دھاڑا۔

"آہستہ مائی ڈیئر میجر شیطان۔ آہستہ، میں بہرہ نہیں ہوں"۔ عمران نے کہا۔

"میں تمہیں گولی مار دوں گا۔ سمجھے"...... میجر اشفاق غرایا۔

"کیوں میں نے کوئی نیکی کا کام کر دیا ہے کیا"...... عمران نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

میجر خاموش رہا چند لمحے سوچنے کے بعد وہ ایک الماری طرف بڑھا۔ وہاں سے اس نے ٹرانسمیٹر نکالا اور پھر اس کا بٹن دبا کر کال کرنا شروع کر دیا۔

"ہیلو ہیلو۔ شیطان اسپیکنگ۔ اوور"...... وہ بار بار یہی فقرہ دہرا رہا تھا۔

"واہ۔ واہ کیا خوب نام رکھا ہے اپنا بالکل اسم بامسمیٰ"...... عمران نے ہانک لگائی۔

"تم خاموش رہو تو بہتر ہے"...... میجر اشفاق نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"کمال ہے۔ بھلا شیطان سے بھی بہتری کی امید ہو سکتی ہے"۔ عمران باز نہ آیا۔

"نمبر الیون۔ اگر اب یہ بولے تو بلا دریغ گولی مار دینا"۔ میجر نے اپنے ساتھی کو حکم دیا اور پھر خود کال میں مصروف ہو گیا۔

"ہیلو۔ شیطان اسپیکنگ۔ اوور"۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔

"یس شیطان دس اینڈ۔ کوڈ۔ اوور"...... میجر اشفاق نے کہا۔

"دس کروڑ میں دو شیطان۔ اوور"...... دوسری طرف سے کہا گیا۔

"طالب۔ میں اشفاق بول رہا ہوں۔ فوراً ٹارگٹ پر پہنچو۔ ایک اہم مسئلہ ہے اوور"...... میجر اشفاق نے کہا۔

"خیریت ہے اس وقت کیا مسئلہ آن پڑا اوور"۔ طالب نے پوچھا۔

"تم جلدی پہنچو میں ڈینجر زون کو تمہارے بارے میں اطلاع دیتا ہوں۔ اوور"...... میجر اشفاق نے کہا۔

"او کے میں آ رہا ہوں۔ اوور اینڈ آل"...... دوسری طرف سے آواز آئی اور میجر نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔

"نمبر الیون۔ تم ڈینجر زون میں شیطان کی آمد کی اطلاع دے دو"...... میجر اشفاق نے کہا تو نمبر الیون پھرتی سے باہر نکل گیا۔

میجر اشفاق اب عمران کے سامنے کرسی پر آن بیٹھا۔

”تمہیں ہم پر شک کیسے ہوا“...... اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

”تم خود ہی تو خواب میں آ کر مجھے بتا گئے تھے“...... عمران نے جواب دیا۔

”ہوں۔ تم سیدھے طریقے سے نہیں بتاؤ گے“...... میجر اشفاق نے کہا۔

”یہ آج تک طریقے کا سیدھا اور الٹا پن میری سمجھ میں نہیں آیا“...... عمران نے کہا۔

”طالب کو آ لینے دو ابھی سب کچھ سمجھ میں آ جائے گا“۔

”اچھا تو کیا طالب صاحب کسی پرائمری سکول میں ٹیچر لگے ہوئے ہیں جو سمجھانے میں ماہر ہیں“...... عمران نے کہا۔

”ہاں۔ ایسے ہی سمجھ لو“...... میجر بھی اب مزے لینے لگا۔

”جہاں تم جیسے ٹیچر ہوں وہ تو پھر یقیناً مثالی درسگاہ ہو گی“۔ عمران نے کہا۔

”تم خاموش نہیں رہ سکتے“...... میجر کو دوبارہ غصہ آنے لگا۔

”واہ واہ کیا خالص استادانہ لہجہ ہے“...... عمران باز نہ آیا۔

میجر اشفاق خاموش رہا۔ عمران بھی کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

کافی دیر گزر گئی اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

”کم ان“...... میجر اشفاق بولا۔ دروازہ کھلا اور دو نقاب پوش اندر آ گئے۔ انہوں نے اندر آ کر اپنے نقاب اتار دیئے۔ ان میں سے ایک طالب اور دوسرا اس کا ساتھی تھا۔

”یہ کون ہے“...... اس نے حیرت سے عمران کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ عمران مسکرایا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس وقت طالب کے روپ میں کیپٹن شکیل اور دوسرا یقیناً صفدر ہو گا لیکن دل ہی دل میں ان کے میک اپ کی داد دینے لگا۔ اتنے مکمل میک اپ میں تھے کہ اگر عمران جولیا کو ہدایات نہ دے آیا ہوتا تو یقیناً دھوکہ کھا جاتا۔

”یہ مسٹر علی عمران ہیں۔ یہاں کی انٹیلی جنس کے آفیسر جن کے متعلق میں نے اس دن تمہیں کوٹھی میں بتایا تھا“...... میجر اشفاق نے جواب دیا۔

”لیکن تم تو کہہ رہے تھے کہ تم نے انہیں مطمئن کر دیا ہے“۔ طالب نے کہا۔

”ہاں۔ اس وقت تو صورت حال یہی معلوم ہوتی تھی لیکن اب یہ تمہارے سامنے ہے“...... میجر اشفاق نے کہا۔

”اسے کہاں سے گرفتار کیا ہے“...... طالب نے کہا۔

”یہ رابرٹ نمبر ٹو کے روپ میں یہاں موجود تھا۔ آج فائل نمبر تھری نکال کر دیکھنے لگا تو الارم کی وجہ سے پکڑا گیا“...... میجر اشفاق نے کہا۔

”اوہ۔ تو اس کا مطلب ہے سب کچھ اس کی نظر میں آ گیا“۔ طالب نے کہا۔

”ہاں۔ اسی لئے تو میں نے تمہیں بلایا ہے کہ اس کا اب کیا کیا جائے“...... میجر اشفاق نے کہا۔

''کرنا کیا ہے۔ گولی مار دو''...... طالب نے لاپرواہی سے کہا اور عمران، کیپٹن شکیل کی اداکاری پر عش عش کر اٹھا۔

''ہوں۔ پہلے اس پر تشدد کر کے اس کے ساتھیوں کے متعلق معلومات حاصل کر لیں''...... میجر اشفاق نے کہا۔

''یار تم لوگ بھی بالکل چغد ہو میرے سامنے ہی میرے متعلق پروگرام بنا رہے ہو''...... عمران بول پڑا۔

''کیا تم شرافت سے سب کچھ نہیں بتاؤ گے''...... طالب نے عمران سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

''واہ۔ واہ کیا بات ہے۔ اب شیطان بھی شرافت کا نام لینے لگے ہیں''...... عمران نے مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

''تم سب لوگ جاؤ صرف ایک ٹامی گن والا رہ جائے''۔ طالب نے اچانک ٹامی گن والوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''کیوں''...... میجر حیران رہ گیا۔

''خواہ مخواہ اتنا مجمع لگانے سے فائدہ۔ یہ بندھا ہوا تو ہے ہی ایک ٹامی گن کافی ہے''...... طالب نے جواب دیا اور میجر اشفاق کندھے اچکا کر رہ گیا۔ عمران، کیپٹن شکیل کی ذہانت کی داد دینے لگا۔ سب کے جاتے ہی طالب نے جیب سے ایک لمبا سا چاقو نکالا اور اسے کھول کر عمران کی طرف بڑھ آیا۔

''سب صحیح صحیح بتا دو ورنہ''...... طالب نے چاقو کی نوک اس کے بازو پر رکھ کر کہا۔

''ورنہ کیا کیپٹن صاحب''...... عمران نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کیپٹن۔ کون کیپٹن''...... طالب نے حیرت سے کہا۔

''کیپٹن شکیل اور کون''...... عمران نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ بتاؤ''...... اچانک طالب کو غصہ آ گیا۔

عمران الجھن میں پڑ گیا کہ کیپٹن شکیل اتنے واضح اشارے کے باوجود اداکاری کر رہا ہے۔

''بتاؤ''...... طالب دھاڑا اور دوسرے لمحے چاقو کا پھل عمران کے بازو میں گھس گیا۔ درد کی ایک شدید لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔ درد سے زیادہ اسے کیپٹن شکیل کے رویہ پر حیرت بھی۔ ادھر صفدر بھی خاموش تھا۔

''بتاؤ ورنہ آنکھ نکال دوں گا''...... طالب کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

''کیا بتاؤں۔ تم نہیں جانتے بھلا یہ بھی اداکاری کا وقت ہے''...... عمران کو بھی غصہ آ گیا۔ کیپٹن شکیل خواہ مخواہ اداکاری کے چکر میں پڑ کر اس کا وقت ضائع کر رہا ہے۔

''تم شاید کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو''...... اب طالب کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔

''کیا تم کیپٹن شکیل نہیں ہو''...... عمران کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کون کیپٹن شکیل میں نہیں جانتا اسے اور پھر میں کیپٹن ہو بھی کیسے سکتا ہے"...... طالب نے کہا۔

"ہونے کو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے مگر"...... عمران اس غیر متوقع سچوئیشن پر الجھ کر رہ گیا۔ وہ تو اپنے طور پر مطمئن تھا کہ طالب کے روپ میں کیپٹن شکیل ہو گیا۔

طالب اب تک عمران کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اچانک طالب گھوما اور پھر اس نے چاقو کی نوک میجر اشفاق کے سینے پر رکھ دی۔

"کک۔ کک۔ کیا مطلب"...... میجر گڑبڑا کر رہ گیا اور عمران کے چہرے پر اطمینان کے آثار چھا گئے۔

"میجر اشفاق۔ تم اپنے آپ کو بہت ہوشیار سمجھتے تھے۔ اب بتاؤ"۔ طالب نے غراتے ہوئے کہا۔

"تو کیا تم طالب نہیں ہو"...... میجر اشفاق کی آنکھوں میں حیرت ناچ رہی تھی۔ طالب کے ساتھی نے سچوئیشن دیکھتے ہی ریوالور سے ٹامی گن والے کو کور کر لیا تھا۔

"میں کیپٹن شکیل ہوں طالب نہیں"...... کیپٹن شکیل نے کہا اور میجر اشفاق بے بسی سے ہونٹ کاٹتا رہ گیا۔

"اب بتایئے عمران صاحب کیسی رہی"...... طالب نے عمران کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یار ویسے تو بڑی اچھی رہی مگر میرے بازو سے ابھی تک خون بہہ رہا ہے"...... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہنے دو کوئی پرواہ نہیں"...... طالب نے لاپرواہی سے کہا اور عمران ایک دفعہ پھر گڑبڑا گیا۔ اس نے سوچا کم از کم کیپٹن شکیل ایسا نہیں کہہ سکتا۔ کیا یہ کیپٹن شکیل نہیں طالب ہے۔ وہ چکرا کر رہ گیا۔ ان شیطانوں نے تو واقعی اسے چکر دے دیا تھا۔

"ہاں تو عمران صاحب۔ ایسا کریں اپنے تمام ساتھیوں کو یہیں بلوا لیں"...... طالب نے کہا اور عمران چونک گیا۔ یہ یقیناً کیپٹن نہیں ہو سکتا۔ اور پھر وہی ہوا۔ اچانک دھماکہ ہوا اور طالب الٹ کر پیچھے جا گرا۔ گولی اس کے سینے میں گھس گئی تھی۔

کیپٹن شکیل اور صفدر، جولیا کی ہدایات ملنے کی تھوڑی دیر بعد میک اپ کر کے ہوٹل سے باہر نکل آئے۔ انہوں نے ٹیکسی کی اور ٹیکسی ڈرائیور کو دانش کالونی کی طرف چلنے کا حکم دیا۔ سڑکوں پر کافی رش تھا۔ ٹیکسی انتہائی تیزی سے اپنا راستہ بناتی ہوئی بھاگی جا رہی تھی۔ ڈرائیور کافی ہوشیار معلوم ہوتا تھا پھر اچانک ٹیکسی جب دو بسوں کے درمیان سے نکلنے لگی تو سامنے سے ایک ٹرک آ گیا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے بچانے کی بے حد کوشش کی مگر ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ ٹیکسی ٹرک سے ٹکرا چکی تھی۔ ٹیکسی قلابازیاں کھاتی ہوئی دور جا گری۔ اس کا انجن تباہ ہو چکا تھا۔ سڑک پر ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اردگرد کے لوگ تیزی سے ٹیکسی کی طرف بھاگے۔ ٹیکسی ڈرائیور فوراً ہی ہلاک ہو گیا تھا۔ سٹیرنگ وہیں اس کے سینے میں گھس گیا تھا البتہ کیپٹن شکیل اور صفدر بچ گئے تھے۔ وہ دونوں بے ہوش تھے۔

چھوٹی موٹی چوٹیں تو انہیں بھی کافی آئیں مگر کوئی شدید چوٹ نہیں تھی۔ زور دار ٹکراؤ سے وہ بے ہوش ہو گئے تھے۔ لوگوں نے جلدی سے انہیں ٹیکسی سے کھینچ کر باہر نکالا اور پھر ایک کار روک کر ان دونوں کو سول ہسپتال لے جایا گیا۔ ہسپتال میں انہیں فوراً طبی امداد مہیا کی گئی لیکن ڈاکٹروں کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود انہیں ہوش نہ آیا بلکہ ان کی حالت اور زیادہ خراب ہوتی چلی گئی۔ شاید کوئی اندرونی شدید چوٹ لگی تھی۔ ایکسیڈنٹ کو ہوئے بارہ گھنٹے گزر گئے اور ابھی تک دونوں بے ہوش تھے۔ ڈاکٹر ان کی زندگی سے مایوس سے ہو گئے۔ تقریباً بیس گھنٹے بعد ان کی حالت بالکل خراب ہو گئی اور انہیں آکسیجن ٹینٹ میں رکھ دیا گیا۔ دونوں کو خون کی بوتلیں چڑھا دی گئیں۔ ڈاکٹر ان پر مختلف انجکشن آزما رہے تھے لیکن بے ہوشی تھی کہ ٹوٹنے میں نہیں آ رہی تھی۔ خدا خدا کر کے تقریباً حادثے کے چوبیس گھنٹے بعد انہیں ہوش آ گیا۔ شاید ابھی ان کی عمر باقی تھی ورنہ ڈاکٹر مایوس ہو چکے تھے۔

اس وقت آدھی رات تھی۔ ان کے قریب ایک ڈاکٹر اور دو نرسیں مستقل ڈیوٹی پر تھیں۔ پہلے صفدر کو ہوش آیا اور چند منٹ بعد کیپٹن شکیل بھی ہوش میں آ گیا۔ آکسیجن ٹینٹ ہٹا دیا گیا۔ وہ چند لمحے تو سپاٹ نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے رہے پھر آہستہ آہستہ ان کی یادداشت لوٹنے لگی اور پھر تھوڑی دیر بعد ان کی نبض معمول پر آ گئی۔ خون کی بوتلیں ہٹا دی گئیں۔ اب وہ پوری طرح ہوش میں

تھے۔ اب انہیں جولیا کی ہدایات اور اپنے کام کی فکر پڑ گئی۔ جسم
میں اب بھی شدید کمزوری موجود تھی لیکن فرض ان کی نظر میں زیادہ
اہم تھا۔ وہ اضطراری طور پر اٹھ کر بیٹھ گئے۔

”لیٹے رہیے۔ لیٹے رہیے۔ ابھی آپ کو آرام کی ضرورت
ہے“۔ ڈاکٹر نے ان سے کہا اور وہ دونوں دوبارہ لیٹ گئے۔

”نرس۔ ان کا خیال رکھنا۔ میں راؤنڈ لگا آؤں“...... ڈاکٹر نے
ایک نرس سے مخاطب ہو کر کہا۔

”او کے سر“...... اس نرس نے جواب دیا اور ڈاکٹر دوسری نرس
کو لے کر راؤنڈ پر چلا گیا۔

کیپٹن شکیل نے صفدر کی طرف دیکھا اور مخصوص اشارہ کر دیا۔

صفدر نے بھی اثبات میں جواب دیا۔

”نرس۔ میرے سینے میں شدید درد ہے“...... اچانک صفدر بول
پڑا۔

نرس تیزی سے صفدر کے قریب آئی اور پھر اس نے اپنا ہاتھ
اس کے سینے پر رکھ دیا۔ صفدر نے اچانک نرس کا گلا پکڑ لیا اور چند
لمحوں بعد نرس بے ہوش ہو چکی تھی۔ نرس کو بے ہوش کرتے ہوئے
صفدر کو ذہنی تناؤ اور روحانی تکلیف ہوئی لیکن کیا کرتا مجبوری تھی۔
وہ اس حالت میں بھی فرض کو اہمیت دے رہے تھے۔ نرس کے بے
ہوش ہوتے ہی وہ دونوں بستر سے اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ اٹھنے
سے اس کے جسم میں شدید درد ہوا لیکن انہوں نے پرواہ نہ کی اور

پھر وہ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے تیزی سے بھاگتے ہوئے گیلری
میں آئے اور پھر گیلری سے پچھلے دروازے تک پہنچ گئے۔ خوش قسمتی
سے اب تک ان کا ٹکراؤ کسی سے نہ ہوا تھا۔ وہ بآسانی دروازہ کھول
کر باہر نکل آئے۔ ان کے جسم پر مریضوں والا لباس تھا اور اس
لباس میں ریوالور کی موجودگی کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ شکر یہ
کہ گرمیوں کا موسم تھا ورنہ سردی میں تو اکڑ جاتے۔ ہسپتال کی
عمارت سے وہ چھپتے چھپاتے باہر نکل آئے۔ ہسپتال سے کافی دور آ
کر انہیں ایک ٹیکسی مل گئی اور اس ٹیکسی نے انہیں واپس کالونی پہنچا
دیا۔

وہ کوٹھی نمبر 130 سے کافی پہلے ہی اتر گئے اور پھر وہ تیزی سے
چلتے ہوئے کوٹھی کے عقب میں آ پہنچے۔ کمزوری اور درد سے ان کی
بری حالت تھی۔ یہ بھی ان کی بے مثال قوت برداشت اور مضبوط
قوت ارادی کا نتیجہ تھا کہ وہ اس طرح دوڑ رہے تھے۔ تھوڑی دیر
بعد وہ دونوں ایک درخت کے ذریعے عقبی دیوار پھاند گئے۔ اب
دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے پورچ کی طرف بڑھے۔ پورچ میں
ایک لمبی چوڑی کار موجود تھی۔ وہ دونوں جیسے ہی کار کے قریب پہنچے
انہیں دروازے کی چٹخنی کھلنے کی آواز آئی۔ وہ تیزی سے بڑے
ستون کی آڑ میں ہو گئے۔ دروازہ کھلا اور اس میں سے وہی طویل
القامت اور اس کا ساتھی باہر نکلا اور پھر وہ دونوں تیز تیز قدم
اٹھاتے ہوئے کار میں آ بیٹھے۔ کیپٹن شکیل نے صفدر کی طرف دیکھا

اور پھر دونوں لپک کر کار کی ڈگی کے قریب پہنچ گئے۔ صفدر نے ڈگی اٹھائی۔ خوش قسمتی سے ڈگی کا تالا بند نہیں تھا شاید سامان نکال کر ڈرائیور تالا لگانا بھول گیا تھا۔ کیپٹن شکیل بڑی آہستگی سے ڈگی میں گھس گیا۔ اس وقت کار سٹارٹ ہوئی اور پھر صفدر بھی پھرتی سے اندر آ گیا۔ دوسرے لمحے کار چل پڑی۔ دونوں بڑی مشکل سے ڈگی میں سمائے۔ ڈگی کا ڈھکنا انہیں نے کھلے رکھا تا کہ دم نہ گھٹ جائے۔

کار تیزی سے مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی پھر وہ جنگل میں گھس گئی۔ صفدر چونک پڑا کیونکہ وہ ایک بار پہلے عمران کے ساتھ جنگل میں آ چکا تھا۔ جنگل میں کار دوڑتی رہی اور ہچکولوں سے دونوں کی بری حالت ہو رہی تھی۔ ادھر اب اتنی بھاگ دوڑ کے بعد ان پر کمزوری غالب آنے لگی تھی لیکن دونوں بڑی ہمت سے اپنے آپ پر قابو پائے ہوئے تھے پھر کار ایک جگہ جا کر رک گئی۔ صفدر سمجھ گیا کہ وہ درخت والے گیٹ کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ طالب اور اس کا ساتھی کار سے اترے۔ ڈینجر زون پر موجود پہرے دار درختوں سے نیچے اتر آئے۔ وہ انہیں سلام کرنے لگے تھے۔ صفدر نے موقع غنیمت جانا اور دونوں آہستہ سے ڈگی سے اتر کر کار کی آڑ میں ہو گئے۔ اتنے میں درخت والا دروازہ کھلا اور طالب اور اس کا ساتھی اندر گھس گئے۔ دروازہ دوبارہ بند ہو گیا۔ پہرے دار واپس اپنی جگہ پر جانے لگے۔ وہ دونوں کھسکتے ہوئے درخت کے قریب آ گئے اور

پھر صفدر خطرے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اس جگہ ہاتھ پھیرا جہاں اس کا خیال تھا کہ دروازے کا بٹن ہو گا۔ دروازہ کھل گیا۔ صفدر لپک کر اندر چلا گیا۔ دوسرے لمحے کیپٹن شکیل نے بھی جمپ کیا اور وہ بھی اندر ہو گیا۔ پہرے داروں کی نظر ان پر نہ پڑی شاید وہ اپنے اپنے درختوں پر چڑھنے میں مصروف تھے۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگے۔ دروازہ بند ہو چکا تھا۔ سیڑھیاں اتر کر وہ ایک کمرے میں آئے پھر دروازے کے قریب ایک پہرے دار نظر آ گیا۔ اس کے قریب ہی انہیں رائفل بھی دیوار کے ساتھ رکھی ہوئی نظر آ گئی۔ پہرے دار شاید کس سوچ میں غرق تھا یا پھر سستا رہا تھا۔ صفدر نے بڑی آہستگی سے ہاتھ بڑھایا اور دوسرے لمحے رائفل اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے تیزی سے رائفل گھمائی اور اس سے پہلے کہ پہرے دار چوکنا ہوا۔ رائفل کا بٹ اس کے سر پر لگا اور وہ کوئی آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا۔ وہ دونوں لپک کر دروازے سے نکلے اور گیلری میں آ پہنچے۔ اچانک کیپٹن شکیل واپس مڑا اور پہرے دار کی تلاشی لینے لگا اور پھر اس کے جسم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی جب اسے پہرے دار کی بیلٹ سے لگا ہوا ریوالور مل گیا۔ اب وہ دونوں مسلح تھے۔ وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگے۔ گو انہوں نے اندر گھس کر ایک بڑا رسک لیا تھا لیکن وہ ایسا کرنے پر مجبور تھے کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس حالت میں وہ انتظار کر نہیں سکتے تھے اس لئے وہ طالب کے پیچھے اندر چلے آئے

پھر صفدر کو اس دفتر میں روشنی نظر آئی جس میں وہ اس دن میجر اشفاق سے ملے تھے۔ صفدر نے کی ہول سے آنکھ لگائی اور پھر وہ اندر کا منظر دیکھ کر چونک پڑا۔ اسے کرسی پر بندھا عمران صاف نظر آ گیا۔ اس نے کیپٹن شکیل کے کان میں سرگوشی کی اور پھر کیپٹن شکیل بھی کی ہول سے اندر دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ بہرحال انہیں خوشی ہوئی کہ وہ نادانستہ طور پر صحیح وقت اور صحیح مقام پر آئے تھے۔

"میں سیڑھیوں سے ہو کر اوپر جاتا ہوں تاکہ روشندان سے سچویشن کنٹرول کروں۔ تم ریوالور لے کر یہیں کھڑے رہو۔ اگر میں گولی چلاؤں یا آواز دوں تو بلا دریغ اندر گھس آنا"...... صفدر نے کیپٹن شکیل کے کان میں کہا اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

صفدر رائفل لے کر آگے بڑھ گیا اور پھر اس کا اندازہ صحیح نکلا۔ جلد ہی اسے سیڑھیاں مل گئیں اور تھوڑی دیر بعد وہ اس گیلری تک جا پہنچا جہاں کمروں کے روشندان تھے۔ اس نے اس کمرے کا روشندان تھوڑا سا کھولا۔ رائفل کی نال وہاں آہستہ سے ٹکا دی اور اندر جھانکنے لگا۔ دوسرے لمحے اس کے اعصاب شل ہو گئے وہاں اس نے طالب کا چاقو عمران کے بازو میں گھستے دیکھا۔ اس نے رائفل کے ٹریگر پر انگلی رکھ دی اور پھر ذرا سا پیچھے ہٹ کر رائفل کی نال کو آگے بڑھایا اور نشانہ لے لیا۔ نیچے ہر شخص عمران کی طرف متوجہ تھا اور اس سے پہلے کہ وہ گولی چلاتا۔ وہ تیزی سے بدلتی ہوئی سچویشن دیکھ کر رک گیا اور پھر اس نے دیکھا کہ طالب نے اب

دوسرے مجرم کو کور کر لیا ہے۔ وہ خاموشی سے سب باتیں سنتا رہا پھر اس نے یہ سنا کہ طالب عمران کو مشورہ دے رہا ہے کہ اپنے تمام ساتھیوں کو وہیں بلوا لے تو اس نے فیصلہ کیا کہ جلد از جلد معاملہ ختم کر دینا چاہیے۔ کہیں بنا بنایا کام بگڑ نہ جائے۔ چنانچہ اس نے ٹریگر دبا دیا۔ گولی ٹھیک نشانے پر لگی۔ طالب الٹ کر پیچھے جا گرا۔ چاقو اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ گولی اس کے سینے میں گھس گئی تھی۔ کمرے میں موجود ہر شخص بری طرح چونکا۔ صفدر نے دوسرا فائر کر دیا۔ دوسری گولی ٹامی گن والے کی کھوپڑی اڑا لے گئی۔ ادھر کیپٹن شکیل گولی کی آواز سنتے ہی اندر لپکا۔ سامنے میجر اشفاق تھا۔

"ہینڈز اپ"...... وہ غرایا مگر طالب کے ساتھی نے اس پر فائر کر دیا۔ کیپٹن شکیل پھرتی سے پہلو بدل گیا پھر اس سے پہلے کہ وہ دوسری گولی چلاتا، کیپٹن نے فائر کر دیا۔ گولی اس کی پسلیاں توڑتی ہوئی نکل گئی۔ کیپٹن شکیل نے ریوالور میجر اشفاق کی کمر سے لگا دیا۔ میجر اشفاق نے ہاتھ اٹھا لئے۔ طالب ابھی فرش پر پڑا تڑپ رہا تھا پھر اس کے جسم نے ایک جھٹکا کھایا۔ وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ صفدر نے اس کمرے کے روشندان کو کھولا اور پھر وہیں سے چھلانگ لگا دی۔ فرش پر گرتے ہی وہ تیزی سے اٹھا اور اس نے بندھے ہوئے عمران کی رسیاں کھولنی شروع کر دیں جو حیرت زدہ بیٹھا یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ رسیاں کھلتے ہی عمران اٹھا اور پھر اس نے

تیزی سے ٹامی گن اٹھا لی۔

"صفدر۔ میجر اشفاق کو کرسی سے باندھ دو"...... عمران نے صفدر کو حکم دیا اور صفدر نے میجر اشفاق کو کرسی سے باندھ دیا۔ میجر اشفاق سچویشن کو اس طرح بدلتے دیکھ کر بے حس ہو چکا تھا۔

"تم انہیں کور رکھو۔ میں ابھی آیا"...... عمران نے کہا اور پھر وہ تیزی سے دروازے سے باہر نکل گیا۔

تقریباً دس منٹ بعد وہ دوبارہ اندر داخل ہوا۔ اس نے دروازہ بند کر لیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بکس تھا۔ اس نے پھرتی سے بکس کھولا۔ اس میں میک اپ کا سامان تھا۔ اس نے تیزی سے بندھے ہوئے میجر کے منہ پر اپنا میک اپ کرنا شروع کر دیا۔ میجر اشفاق نے جدوجہد کرنی چاہی لیکن صفدر نے اس کا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر قابو کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد میجر اشفاق، عمران کا ہم شکل بن چکا تھا۔ عمران نے کیپٹن شکیل کے ہاتھ سے ریوالور لیا اور پھر اس کا دستہ پوری قوت سے میجر کے سر پر دے مارا۔ دوسری ضرب پر میجر بے ہوش ہو چکا تھا۔ اب اس نے کیپٹن شکیل پر طالب کا میک اپ کرنا شروع کر دیا۔ اس سے فارغ ہو کر اس نے طالب کے ساتھی کا میک اپ صفدر پر کیا۔ تھوڑی دیر بعد ان دونوں کی شکلیں بدل چکی تھیں پھر اس نے طالب اور اس کے ساتھی پر کیپٹن شکیل اور صفدر کا میک اپ کیا۔

"تم دونوں کپڑے بدل لو"...... عمران نے ان سے مخاطب ہو

کر کہا۔

"مگر کپڑے کہاں ہیں۔ ان دونوں کے کپڑے تو لہو سے تر ہیں"۔ کیپٹن شکیل نے کہا۔ پھر عمران کے تلاش کرنے پر آفس سے ملحقہ باتھ روم میں ہی انہیں کپڑوں کی ایک الماری نظر آ گئی۔ دونوں نے کپڑے تبدیل کئے اور اپنے کپڑے انہوں نے مردہ طالب اور اس کے ساتھی کو پہنا دیئے۔ عمران نے بے ہوش میجر سے کپڑے تبدیل کر لئے۔ اس تمام کام میں عمران نے بے حد پھرتی دکھائی۔ نتیجہ یہ کہ تقریباً آدھے گھنٹے میں وہ فارغ ہو چکا تھا۔ اب تک کوئی بھی اور آدمی کمرے میں نہیں آیا تھا شاید میجر کی طرف سے انہیں سخت ہدایات تھیں۔ وہ انہیں یہاں کی سچویشن کا بھی تو علم نہیں تھا۔ اس نے میز پر لگے ہوئے گھنٹی کے بٹن کو دبایا۔ چند لمحے بعد ایک نوجوان ہاتھ میں ٹامی گن لئے اندر داخل ہوا۔ اندر کی سچویشن دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لئے ٹھٹک گیا۔ عمران منہ پر نقاب لگا چکا تھا۔

"دو اور کو بلاؤ"...... عمران نے اسے میجر کی آواز میں حکم دیا اور وہ تیزی سے واپس مڑ گیا۔ چند لمحے بعد اس کے ساتھ دو اور آدمی اندر داخل ہوئے۔

"تم باہر ڈینجر زون والوں کو مطلع کرو کہ ہم ایک اہم کام کے لئے باہر جا رہے ہیں۔ ہوشیار رہیں اور تم دونوں ان کو اٹھاؤ"۔ عمران نے طالب اور اس کے ساتھی کی طرف اشارہ کیا۔ پہلے والا

نوجوان باہر چلا گیا جبکہ اس کے دونوں ساتھی ان دونوں کو اٹھانے لگے۔ صفدر نے آگے بڑھ کر بے ہوش میجر اشفاق کو کاندھے پر لاد لیا اور پھر وہ سب تیزی سے گیٹ کی طرف بڑھنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ درخت والے دروازے سے نکل کر جنگل میں آ گئے۔

''تم لوگ ہوشیاری سے پہرہ دو۔ مجھے شاید چند گھنٹے لگ جائیں''۔ عمران نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

''او کے چیف۔ آپ بے فکر رہیں''...... ان کے لیڈر نے کہا اور پھر عمران، کیپٹن شکیل اور صفدر کار میں بیٹھ گئے اور کار تیزی سے واپس دوڑنے لگی۔

ہوٹل تاج کے کمرے میں محفل جمی ہوئی تھی۔ عمران، کیپٹن شکیل، صفدر اور جولیا کمرے میں موجود تھے۔

''عمران صاحب۔ کیا اڈے پر قبضہ کر لیا گیا''...... صفدر نے پوچھا۔

''ہاں صفدر۔ صبح میں نے ایکسٹو کے حوالے سے فوج کو کال کیا اور پھر تھوڑی سی جدوجہد کے بعد اڈے پر ہمارا قبضہ ہو گیا۔ ویسے وہاں صرف تھوڑے سے مجرم تھے باقی سب اپنے ہی فوجی تھے''۔

''آخر یہ قصہ کیا تھا۔ اپنی تو سمجھ میں نہیں آیا''...... جولیا نے پوچھا۔

''ہیرا من طوطے کا قصہ تھا''...... عمران بولا۔

''پلیز عمران صاحب۔ سنجیدگی سے بتائیں''...... کیپٹن شکیل نے درخواست کی۔

"زبان سے بتاؤں یا سنجیدگی سے"...... عمران نے کیپٹن شکیل پر چوٹ کی۔

"عمران"...... جولیا نے التجا آمیز لہجے میں کہا کیونکہ وہ تینوں ہرگز اس کیس کو نہیں سمجھ سکے تھے۔

"اچھا بھائی سنو۔ اب تم تینوں جو درخواست کر رہے ہو تو سنو لیکن میں مختصر بتاؤں گا"...... عمران نے کہا۔

"آپ بتایئے تو سہی"...... صفدر نے کہا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے ملک نے پریم نگر کے اس جنگل میں خفیہ زمین دوز میزائل اڈہ اور ایک طاقتور راڈار اسٹیشن بنانے کا منصوبہ بنایا۔ جنگل کا یہ حصہ جہاں اڈہ موجود ہے چونکہ پڑوسی دشمن ملک کی سرحد کے قریب ہے اس لئے یہ جگہ مناسب خیال کی گئی۔ منصوبہ تیار ہوا پھر اڈہ بننا شروع ہو گیا۔ یہ اڈہ بنانے والے فوجی تھے۔ یہ منصوبہ اتنا خفیہ رکھا گیا کہ پریم نگر کے نواب تک کو بھی اس کی ہوا نہ لگنے دی گئی مگر نجانے کیسے پڑوسی ملک کے جاسوسوں کے کانوں میں اس منصوبے کی بھنک پڑ گئی۔ انہوں نے اس کے متعلق تفصیلات اپنے ملک کو بھیج دیں۔ اب ادھر ایک بھیانک مگر سادہ سازش تیار کی گئی۔ انہوں نے اپنے ملک کے دو نامور جاسوسوں مرزا اشفاق اور طالب کی سرکردگی میں دو پارٹیاں بھیجیں۔ ادھر پاکیشیائی اڈے کے انچارج کا نام بھی میجر اشفاق ہی تھا۔ دونوں دشمن ایجنٹ شیطان کے نام سے پکارے جاتے تھے۔

بہرحال یہ دونوں شیطان یہاں آئے اور مرزا اشفاق نے اڈے پر قبضہ کر لیا۔ میجر اشفاق کو قتل کر کے خود اس کی جگہ سنبھالی اور اپنے دوسرے ساتھی بھی اہم پوسٹوں پر لگا دیئے۔ ادھر طالب اپنی پارٹی کے ساتھ باہر رہنے لگا۔ اس کے ذمے یہ ڈیوٹی تھی کہ اگر کوئی دوسری پارٹی یا حکومت کے افراد کو اس مشن پر شک ہو تو وہ ان کا بندوبست کرے۔ دونوں پارٹیاں کام کرتی رہیں۔ ہماری حکومت یہ سمجھتی رہی کہ اڈہ بن رہا ہے۔ تمام خرچہ ہماری حکومت اٹھا رہی تھی۔ ادھر پڑوسی ملک کے انجینئروں نے بھی اس اڈے کے ساتھ ہی اپنی حدود میں اپنے ملک کے لئے ایک خفیہ اڈہ بنانا شروع کر دیا۔ ان کا پروگرام یہ تھا کہ ہمارے اڈے کا کنٹرول روم اس طرز پر تیار کیا جائے کہ وہ اپنے اڈے سے جس وقت بھی چاہیں اسے کنٹرول کر سکیں۔ دونوں اڈوں کے درمیان ایک خفیہ سرنگ تیار کرائی گئی تاکہ وہ جس وقت چاہیں اس اڈے پر بآسانی قبضہ کر کے اس اڈے کو ہمارے ملک کے خلاف استعمال کر سکیں۔ کام ہوتا رہا اور کسی کو اس بھیانک سازش کی خبر نہ ہو سکی۔ ادھر اڈے کو خفیہ رکھنے کے لئے حکومت کی اجازت سے جنگل میں چند شکاریوں کو قتل کر دیا گیا تاکہ لوگ ادھر آنے سے گھبرانے لگیں۔ اس کے لئے مخصوص ہتھیار استعمال کئے گئے جس کی وجہ سے لوگوں میں جن بھوتوں کا تصور پھیلنے لگا اور یہ جگہ پراسرار اور آسیب زدہ سمجھی جانے لگی۔ چونکہ نواب صاحب کو اس کے متعلق علم نہیں تھا اور شکاریوں

کی وجہ سے ان کی آمدنی کم ہوئی تو انہوں نے سر سلطان سے مدد کی درخواست کی جو ان کے دوست ہیں۔ سر سلطان خود اس منصوبے سے آگاہ نہیں تھے کیونکہ یہ سب ٹاپ سیکرٹ رکھا گیا تھا۔ سر سلطان نے دوستی سے مجبور ہو کر ایکسٹو کو درخواست کی اور ایکسٹو نے مجھ قربانی کے بکرے کو آگے کر دیا۔ یہاں آ کر میں نے تحقیقات کی اور پھر اچانک صورتحال بدل گئی۔ جب ہمیں یقین دلایا گیا کہ یہ اڈہ ہماری حکومت ہی بنا رہی ہے۔ یہاں کوئی مجرمانہ کام نہیں ہو رہا۔ میں نے ایکسٹو کو فون کیا۔ ایکسٹو نے تصدیق کی بات صحیح نکلی۔ اب یہاں آ کر کیس ٹھپ ہو گیا۔ دراصل مجرم ہمیں چکر دے گئے اور سچ بات تو یہ ہے میں بھی چکرا گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں پھر جولیا کو میں نے اس آدمی کے تعاقب پر لگا دیا اور خود جب باہر نکلا تو میجر اشفاق نظر آ گیا پھر اس کا تعاقب کر کے میں طالب کے ٹھکانے پر جا پہنچا۔ جولیا بھی گرفتار ہو کر وہیں آئی اور پھر ان کی باتیں سن کر میں مشکوک ہو گیا۔ میں نے جولیا کے ذریعے تمہیں ہدایات پہنچائیں کہ طالب کو اغوا کر لیا جائے۔ خود میں نمبر ٹو کو ختم کر کے اڈے میں گھس گیا اور وہاں فائل نکالتے ہوئے گرفتار ہو گیا۔

میجر اشفاق نے طالب کو بلا بھیجا۔ طالب اپنے ایک ساتھی کے ساتھ وہاں آ پہنچا۔ اب صورتحال یہ تھی کہ مجھے یقین تھا کہ طالب کے بھیس میں کیپٹن شکیل ہے اور اس کے ساتھی کے بھیس میں صفدر

ہے۔ ادھر تم لوگوں نے عجلت سے کام لیا اور وقت پر وہاں پہنچ گئے ورنہ میں تو اس یقین کے بھروسے پر مارا جاتا''...... عمران نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا اور اس سچویشن کا تصور کر کے سب ہنس پڑے۔

''طالب ادھر چاقو لے کر میری طرف بڑھ رہا تھا اور میں اسے کیپٹن شکیل سمجھ کر اس کی فطری اداکاری اور مکمل میک اپ پر دل ہی دل میں عش عش کر رہا تھا''...... عمران نے چند لمحوں بعد دوبارہ بولتے ہوئے کہا اور کمرہ ایک بار پھر قہقہوں سے گونج اٹھا۔

''اب آگے تم جانتے ہی ہو کہ کیا ہوا''...... عمران نے کہا۔

''کیا ہوا''...... جولیا بولی کیونکہ وہ لاعلم تھی۔

''نکاح ہوا اور کیا ہو سکتا ہے''...... عمران نے کہا اور جولیا بپھر گئی۔

''شٹ اپ بدتمیز''...... جولیا غصے سے چلائی۔

''کیوں۔ نکاح ہونے میں بدتمیزی کہاں سے داخل ہو گئی''۔ عمران نے حیرت سے کہا اور جولیا نے سینڈل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''اچھا اچھا ہو گئی داخل بدتمیزی۔ بس اب تو خوش ہو گئیں''۔ عمران نے اسی لہجے میں کہا کہ جولیا نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑی۔

''بس اسی طرح ہنستی رہا کرو تاکہ امید قائم رہے''...... عمران

نے ہانک لگائی اور جولیا کا پھر منہ بن گیا۔

"آپ مس جولیا کو بہت تنگ کرتے ہیں عمران صاحب"۔ صفدر نے بیچ بچاؤ کراتے ہوئے کہا۔

"میرے تنگ کرنے سے تو یہ سمارٹ ہے ورنہ بھینس کو غور سے دیکھ لو اسے کوئی تنگ نہیں کرتا"...... عمران نے کہا اور پھر تیزی سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

"یہ عمران ان دونوں سے بھی بڑا شیطان ہے"...... صفدر نے کہا۔

"یعنی دس کروڑ میں دو شیطان نہیں بلکہ دس کروڑ میں ایک بڑا شیطان"...... کیپٹن شکیل نے کہا۔

"ہاں۔ اسی لئے تو عمران اور شیطان ہم قا[illegible] ہیں"...... جولیا نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر ان تینوں کے بے ساختہ قہقہوں سے کمرہ گونج اٹھا۔

ختم شد